جماعتی تعصب

اسلام اپنے نفاذ کے لیے کسی مخصوص گروہ یا جماعت کا انتخاب ضروری نہیں سمجھتا، بلکہ تبلیغ کا صحیح فریضہ تبھی ادا ہوسکتا ہے جب انسان جماعتی تعصب اور گروہی تسلط سے بالاتر ہو کر محض لوجہ اللہ اس کے لیے جدوجہد کرے۔ قرآن اس معاملے میں واضح طریق عمل متعین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾[المائدة : ٢]

یعنی تم نیکی وتقوے کے کاموں پر ایک دوسرے سے تعاون رکھو، اور گناہ وسرکشی کے معاملے میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑے آسان اور جامع اسلوب میں راہِ عمل کی وضاحت کردی ہے کہ نیکی کے ہر کام میں، وہ جہاں بھی ہو رہا ہو اور کرنے والا کوئی بھی ہو، تم باہمی تعاون کی فضا قائم رکھو۔ لیکن افسوس ہے ان جماعتوں اور گروہوں پر جن کے لیے سب سے مقدم جماعتی عصبیت ہے اور بعد میں اسلامی تعلیمات! یہ بات اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ کوئی بھی مسلمان کہیں بھی اور کسی بھی جگہ پر حالات اور ماحول کے موافق فریضۂ تبلیغ ادا کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ صحیح مسلمان ہو اور اس کام کا اہل بھی۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا جب تک مخصوص جماعت میں وہ شامل نہیں ہوگا تب تک اس کا بائیکاٹ کیا جائے گا اور اسے اپنے پروگراموں میں مدعو نہیں کیا جائے گا اور نہ ایسے پروگراموں میں شرکت کی جائے گی جن کا انعقاد کوئی اور کرے گا۔ اللہ ہمیں اسلام کی صحیح سمجھ بوجھ عطا کرے اور ہمیں اس کی روشن تعلیمات اپنانے اور صرف دین اسلام کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کام چھوٹا گناہ بڑا

۵۰۔ وراثت سے محروم کرنا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من قطع ميراث وارثة قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة .))

(سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۲۷۰۳)

''جس نے کسی وارث کی میراث کو ختم کر دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کا حصہ ختم کر دے گا۔''

۵۱۔ دیارِ اسلام میں طالب امن کو قتل کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من قتل نفسا معاهدة بغير حقها لم يجد رائحة الجنة فإن ريحها ليوجد من مسيرة مائة عام .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ۳۱٦٦)

''جس کسی نے معاہد کو ناحق قتل کیا تو وہ جنت کی خوش بُو بھی نہ پائے گا، اور جنت کی خوش بُو سو سال کی دوری سے پائی جاتی ہے۔''

۵۲۔ بے تکلف بات کرنا:

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وإن أبغضكم إلي وأبعدكم مني في الآخرة مساوئكم أخلاقا الثرثارون والمتشدقون والمتفيهقون .)) (مسند أحمد: ٤/ ١٩٣)

''تم میں سے سب سے زیادہ مجھے ناپسندیدہ اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دُور وہ ہوگا جو زیادہ بولنے والا، بے تکلف بات کرنے والا اور متکبر ہے۔''

۵۳۔ کتا پالنا:

حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من اقتنى كلبا إلا كلب صيد أو ماشية فإنه نقص من أجره كل يوم قيرطان .))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ۱۵۷۵ سنن نسائي، رقم الحديث: ٤۲۹۲، مسند أحمد: ۲/ ۸)

''شکاری اور نگرانی کرنے والے کتے کے علاوہ اگر کسی نے کتا پالا تو اس کے اجر (ثواب) سے روزانہ دو قیراط کم کیا جائے گا (ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔)''

(عبدالرحیم بلتستانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان
ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

26 جمادی الثانی 1433ھ جمعۃ المبارک 18 تا 24 مئی 2012ء

شمارہ 20 جلد 64

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال
		60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

ہم ہیں مشتاق..........

حافظ احمد شاکر

آج کل پاکستان کے سیاست دان عموماً اور حکم ران خصوصاً بے مہریِ امریکہ سے سخت پریشان، افسردہ اور بجھے بجھے سے ہیں کہ کسی طرح وہ پھر امریکا کہ نگہِ خسروانہ میں آجائیں لیکن وہ عشوۂ طراز ابھی تک ان پاکستانیوں کو چشمِ نیم باز سے دیکھ بھی نہیں رہا جس کے نتیجے میں ان کی حسرتوں کی چنگاریاں بجھ بجھ کر راکھ ہو رہی ہیں۔

ہماری سیاسی جماعتیں اور حکم ران اگر خود دینی علم سے محروم ہیں تو وہ اپنی اپنی جماعتوں کے مذہبی ونگ کے ذریعے سورۂ انفال و توبہ میں درج شدہ وہ اصولی قواعد ملاحظہ کریں اور ان کو سامنے رکھتے ہوئے کافر پڑوسیوں اور غیر مسلم قبائل، اقوام اور حکومتوں سے معاہدات و مذاکرات کرنے کا اہتمام کریں جن کی طرف شریعت ہماری راہ نمائی فرما چکی ہے۔ ایک اور بات کی طرف ہمارے سیاست دانوں اور حکم رانوں کو توجہ کرنی چاہیے کہ ان کے مغربی آقاؤں نے ان کو آداب (Protocol) کے نام پر جن بُری بلکہ غیر انسانی عادات کا عادی بنا دیا ہے کیا وہ خود اپنے ممالک اور معاشرے میں بھی ایسے ہی آداب کا اہتمام کرتے ہیں؟ مثلاً حفاظت کی خاطر ہزاروں کی نفری، درجنوں کے حساب سے وزراء کی فوج ظفر موج، بیسیوں مشیران حکومت اور درجنوں کمیٹیوں کے صدور و چیئرمین، استحقاق کے نام پر اربوں روپے کے اخراجات کے طومار جیسی تبذیر ایک طرف اور دوسری طرف پاور کمپنیوں کو ادائیگی نہ ہونے پر لوڈ شیڈنگ کا عذاب ایک طرف۔ اب بجٹ یا لوڈ شیڈنگ سے نجات کے لیے ہم پھر کشکول اٹھائے درِ اغیار کے کوئے ملامت کا طواف کرنے لگے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ ساہوکار اپنے کمیوں کی اس بے بسی میں اپنی خواہشات پوری کرتا، شرطیں منواتا اور غلام بناتا ہے۔

بازارِ سیاست میں یہ بات معروف و مشہور ہے کہ منصوبہ ساز لوگ منصوبے برسوں پہلے تیار کرتے، جال پھیلاتے، فضا ہموار کرتے، مہرے ڈھونڈ ڈھونڈ کر فٹ کرتے اور پھر منصوبوں کو ایک حد تک پہنچا کر اُس کو افشا کرتے ہیں۔ اپنے طے کردہ افشاء وقت تک وہ دورِ حاضر کے استادِ سیاست میکاولی کی ہدایت کے مطابق جھوٹ اس اعتماد اور تواتر کے ساتھ بولتے ہیں کہ لوگ اس کو سچ ماننے لگیں۔ اس لیے ایک طبقے کا خیال ہے کہ چند سالوں میں وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات و حوادث اچانک رونما نہیں ہوئے بلکہ ہم محسوس یہ کر رہے ہیں کہ شکست روس کے بعد یہ سب کچھ امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے مطابق ہی واقع ہو رہا ہے۔ ممکن ہے ریمنڈ ڈیوس اور سلالہ چیک پوسٹ جیسے بعض واقعات کا ظہور اہل پاکستان خصوصاً عساکر کی حرارت ایمانی جانچنے کے لیے بھی کیے گئے ہوں لیکن یہ سب کچھ با قاعدہ بلکہ بالترتیب وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ ہمیں بار بار یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جب ہم جیسے کم وسائل، محدود معلومات اور دور افتادہ لوگوں کے ذہن میں اللہ تعالیٰ ایسے امکانات کا شائبہ ڈال سکتا ہے تو ہم سے بہت زیادہ وسائل و معلومات کے حامل حلقوں اور عبقری اذہان کی عقلِ رسا ان اوہام تک کیوں نہ جاتی ہوگی؟ پھر اس کی فیڈ را ور چیونگم دینے کی پالیسی بلکہ اسی کی زبان میں گاجر اور چھڑی کی پالیسی کی طرف جب ذہن جاتا ہے تو پھر نبی اکرم ﷺ کا وہ فرمان یاد آجاتا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ میں اپنی امت کے فقر سے پریشان نہیں ہوں بلکہ مال کی بہتات سے خوف زدہ ہوں۔ ہم ہیں مشتاق ہم ہیں مشتاق ہم ہیں مشتاق

ہم آج تک نیو ورلڈ آرڈر کی تفصیلات تو نہیں دیکھ سکے، اس کی علامتیں دیکھنے کا حاصل ہمیں یہی سمجھ آیا ہے کہ واحد حریف ختم ہو جانے کے بعد امریکہ کی فرعونیت نے سینگ مزید نوکیلے کر لیے ہیں۔ اس کی خواہش خوابیدہ یہ محسوس ہوتی ہے کہ پوری انسانیت اس کے سامنے جھک جائے، جس

کے لیے نہ وہ داد و دہش سے گریز کرتا ہے، نہ ترغیب و تحریص سے اعراض کرتا ہے اور نہ ہی کوئی اسے جھوٹ سچ بولنے میں جھجک ہے۔ اپنی رائے رکھنے والا اسے نہ کوئی فرد پسند ہے اور نہ ہی کوئی ملک۔ شکست روس کے بعد اس نے اسی ذہنیت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کو خوامخواہ ہدف بنا لیا جس کے لیے وہ مسلمانوں خصوصاً مسلمان حکمرانوں، سیاستدانوں، دانشوروں، ادیبوں حتی کہ بعض علماء کو بھی اپنی جلو میں لے کر فرعونیت کی طرف گامزن ہونے لگا۔ کمزور، پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک کو اس نے ترقیوں کی چکا چوند میں چندھیا کر ان کی آنکھوں کو اس طرح خیرہ کر دیا کہ انھیں صرف وہی نظر آتا ہے جہاں تک قرضوں کی شعائیں پہنچتی ہیں۔ مغربی معاشیات کا اصول یہ معروف ہے کہ متوقع ذاتی مفاد کے لیے افراد یا انسانیت کے کسی بھی نقصان کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ جس طرح جیب تراشی کرنے کے لیے جیب تراش اپنے کسی ساتھی کی مار پیٹ کر کے بھی واردات کرتے ہیں اور کبھی کسی مظلوم کی ہمدردی کی آڑ لے کر وہ کارروائی کر گزرتے ہیں، بعینہ امریکہ حصولِ مقصد کے لیے کوئی ڈھونگ رچا سکتا اور کوئی بھی بھیس بدل سکتا ہے۔

زبانِ خلق پہ جائیں تو وہ ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے بعد سے ہی طاغوت کے زیر زمین دھاکوں کے اندیشہ ہائے دور دراز پر بھی اظہار کرتی رہی ہے۔ اور اب سیاچن گلیشیر میں تاریخ کے جس افسوسناک ترین حادثے نے وطن عزیز کے عوام کو عموماً اور عساکر پاکستان کو خصوصاً شدید اذیت اور کرب میں مبتلا کیا ہے وہ شاید برفانی تاریخ کا ایسا اچنبھا واقعہ ہے جس پر تمام دنیا افسردہ تو ہے ہی حیرت زدہ بھی ہے۔ ذہن پر تھوڑا زور ڈالیں تو حادثہ بہاولپور میں جنگ افغانستان کے اہم ترین کرداروں کے خاتمے کے لیے جو ملک اپنے سفیر کو بھینٹ چڑھا سکتا ہے کیا وہ وطن عزیز کو قدرت کی طرف سے فراہم کردہ سرحدوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا؟ ملی طور پر ہمارے غور و فکر کی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جس دشمن کو راز دار بنانے سے حکماً منع فرمایا ہے ایک تو ہم نے اس کو سانسوں تک کا راز دار بنایا ہوا ہے۔ دوسرا ہم بار بار اُس کے سامنے منمنا کر دست سوال دراز کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے اس نے ہنہنا کر گھورنا ہی ہے جب کہ ہم جیسوں کو یہ احساس جھنجھوڑتا رہتا ہے کہ دشمن مسلم امہ کو عموماً اور پاکستان کو خصوصاً اپنے در پہ یوں جھکانا چاہتا ہے کہ ہم طاغوت سے یہ پوچھیں (معذرت کے ساتھ) بتا تیری رضا کیا ہے۔ اس کی بغض بھری دوستی کی ایک نہیں بے شمار مثالیں ہم دیکھ چکے اور دیکھ رہے ہیں اور پھر بھی ہم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد ہماری مقتدر قوتوں نے انگریز کے جاری بلکہ ٹوڈیوں کو عطا کردہ جاگیردارانہ نظام ختم کرنے کی سنجیدہ کوشش ہی نہیں کی، جبکہ شنید ہے کہ بھارت نے جاگیرداری نظام ختم کر کے جاگیردارانہ مزاج کی سوچ اور فکر کو تبدیل کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیرداروں کا سرمائے کی بنیاد پر اقتدار کی راہ داریوں میں داخل ہونے کے امکانات بہت حد تک کم ہو گئے جب کہ ہمارے ہاں اقتدار عموماً جاگیرداروں کی جیب کی گھڑی رہی یا جرنیلوں کے ہاتھ کی چھڑی، اور وہ بھی عملاً وراثت ہی بننے لگا بلکہ اب تک بنا ہوا ہے۔ اور اقتدار جب جاگیرداروں اور جرنیلوں کے ہاتھ سے نکلا تو ایک تاجر کے ہتھے چڑھ گیا، یہی وجہ بنی کہ ہمارے حکمرانوں کے بے مہابا بلکہ بے رحمانہ اخراجات اور ممبران قومی وصوبائی اسمبلیوں اور اراکین سینٹ کے غیر معمولی وظیفوں کے علاوہ استحقاق کے نام پر غیر معمولی اختیارات واخراجات کا ایسا کلچر بنا دیا گیا ہے کہ اب کفایت شعاری متروک الفاظ میں سے ہو چکی ہے۔ من حیث القوم اب ہمیں دریوزہ گری میں تو کوئی عار نہیں لیکن اخراجات میں بچت من حیث القوم یہ بات ابھی تک ہمارے حاشیہ خیال ہی میں نہیں آ رہی۔ اور یہ حکمران وطن عزیز کے خزانے کو اپنی جاگیر جان کر یا صنعت کی پروڈکشن سمجھ کر بے رحمی سے خرچ بلکہ اجاڑتے رہے۔ لہٰذا اب اگر مدد طلب نگاہوں سے آقائے ولی نعمت کی طرف ٹکٹکی باندھے کھڑے رہیں اور وہ آنکھ ملانے پر بھی راضی نہ ہو تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

ہم ہیں مشتاق اور وہ ہیں بے زار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

اور علامہ اقبال کی زبان میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

درس قرآن

قسط نمبر ۲۳

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝﴾

[یٰس: ۲۶،۲۷]

''اسے کہا گیا: جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس نے کہا: اے کاش! میری قوم جان لے اس بات کو کہ میرے ربّ نے مجھے بخش دیا اور مجھے معزز لوگوں میں سے بنا دیا۔''

جب اس مردِ مومن کو شہید کر دیا گیا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اسے یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جیسے شہید کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝﴾ [آلِ عمران: ۱۶۹]

''اور تُو ان لوگوں کو جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیے گئے، ہرگز مردہ گمان نہ کر، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے ربّ کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔''

شہید کی یہ زندگی کیسی ہے، اس کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾ [البقرۃ: ۱۵٤]

''اور ان کو جو اللہ کے راستے میں قتل کیے جائیں، مردے مت کہو، بلکہ زندہ ہیں اور لیکن تم نہیں جانتے۔''

احادیث میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے اجواف میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور عرش کے نیچے قندیلوں کے ساتھ آویزاں رہتی ہیں۔

بعض نے یہ مفہوم بھی لیا ہے کہ اس سے مراد جنت کی بشارت دینا ہے کہ تمھارا مقام جنت میں متعین ہو چکا ہے جو تمھیں حشر و نشر کے بعد حاصل ہوگا۔ (قرطبی)

﴿قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ﴾ جب اس نے جنت کا نظارہ کیا تو وہ پکار اٹھا: کاش میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ میرے ربّ نے مجھے بخش دیا ہے۔ اور انھیں یہ راز معلوم ہو جائے کہ یہ ثمرہ تمام تر ایمان اور اتباعِ مرسلین کا نتیجہ ہے تاکہ وہ بھی ایمان لا کر جنت کی مستحق بن جائے۔

اس مردِ مومن کے اخلاص کا اندازہ کیجیے کہ شہید ہو جانے کے بعد بھی اس نے اپنی قوم کے حق میں بد دُعا یا ان کے خلاف کسی غصے کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کی خیر خواہی چاہتے ہوئے یہی کہا کہ کاش! میرے انجامِ خیر کا علم میری قوم کو ہو جائے۔ انھوں نے میری زندگی میں میرے وعظ و تلقین سے کوئی سبق نہیں لیا تو میری موت کے بعد ہی میرے احوال معلوم ہونے سے سبق حاصل کر لیں۔ وہ اپنے ظالموں کے لیے مرنے کے بعد بھی جنت کی راہ سوچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"نصح قومه في حياته وبعد مماته." (ابن کثیر)

''اس نے زندگی میں بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور مرنے کے بعد بھی۔''

﴿بِمَا غَفَرَلِيْ﴾ کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ترجمے میں نقل ہوئے ہیں، اس میں ''ما'' کو مصدری معنی میں لیا گیا ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہیں: ''کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ کس چیز کی بدولت میرے ربّ نے مجھے بخش دیا ہے؟'' یہ ترجمہ ''ما'' کے استفہامیہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ درست نہیں کیوں کہ ''ما'' استفہامیہ ہوتا تو (الف کے حذف کے ساتھ)

"بم" ہوتا، یہی بات امام کسائی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ مگر کلام عرب میں یہ "بـمـا" (الف کے ساتھ) استفہام کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ (فتح القدیر)

صاحب یٰسٓ نے وعظ وتلقین اور اپنی قوم کی خیر خواہی کی جو مثال قائم کی اس کا نظارہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی ملتا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں قوم کو اسلام کی دعوت دوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہ تمھیں قتل نہ کردیں۔'' حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اس بات کا احتمال نہیں۔ انھیں مجھ سے اتنی الفت ہے کہ میں سویا ہوا ہوں تو وہ مجھے جگائیں گے بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا تو پھر چلے جاؤ۔''

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ قوم کے پاس گئے۔ جب وہ لات اور عزیٰ کے پاس سے گزرے تو فرمایا: میں صبح تم سے نمٹوں گا۔ یہ سن کر ثقیف غضب ناک ہوگئے۔ انھوں نے فرمایا: اے میری قوم! یہ لات اور عزیٰ کوئی شے نہیں، اسلام لے آؤ، تمھیں سلامتی ملے گی۔ اے میرے بھائی بندو! لات وعزیٰ کچھ بھی نہیں ہیں، اسلام لے آؤ تمھیں سلامتی ملے گی۔ یہ دعوت انھوں نے تین بار دی۔ ایک بدنصیب نے تیر مارا جوان کی رگ اکحل پر لگا تو وہ شہید ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ویسا ہی تھا جیسا صاحب یٰسٓ تھا جس نے کہا تھا:

﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝﴾

(ابن کثیر، طبراني: ۱۷/ ۱۴۷، ۱۴۸، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۸۶، دلائل النبوة للبيهقي: ۵/ ۲۹۹ وغيره)

حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: بالکل وہ اللہ کے رسول ہیں۔ مسیلمہ نے کہا: کیا تم میری نسبت بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انھوں نے فرمایا: میں نہیں سنتا تم کیا کہتے ہو۔ مسیلمہ کذاب بولا: ان کی نسبت تم سن لیتے ہو اور میری نسبت پر بہرے بن جاتے ہو۔ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، ایسے ہی ہے۔ اس پر اس نے ان کا ایک ایک کرکے عضو کٹوایا۔ ہر عضو کاٹنے کے بعد پھر یہی پوچھتا تو وہی جواب پاتا۔ یوں ان کے جسم کا ایک ایک جوڑ کٹوایا تا آنکہ وہ اس کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ کعب الاحبار سے جب یہ واقعہ بیان کیا اور انھیں بتلایا گیا کہ اس صحابی کا نام حبیب تھا تو انھوں نے فرمایا: صاحبِ یٰسٓ کا نام بھی حبیب تھا۔ (ابن کثیر)

مولانا امین احسن اصلاحی نے یہاں اپنی رائے کے مطابق فرمایا ہے کہ مردِ مومن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کو شہید کیے جانے کے بعد نہیں بلکہ اس کی ہجرت یا اس کی وفات کے وقت یہ بشارت تھی۔ اور یہ تکلف انھوں نے صرف اس بنا کر کیا ہے کہ سورة المومن کی آیت (۴۴، ۴۵) میں صراحت ہے کہ مومن آلِ فرعون کو اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کی سازشوں سے محفوظ رکھا۔ حالانکہ سورۂ یٰسٓ کے مردِ مومن کو مومن آل فرعون باور کرانا ہی بنیادی طور پر درست نہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ پھر یہاں دخولِ جنت کی بشارت ہی نہیں ﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ﴾ کے الفاظ ہیں جس کے معنی خود اصلاحی صاحب نے یہ کیے ہیں: ''ارشاد ہوا کہ جنت میں داخل ہوجاؤ۔'' بلکہ یہ بھی فرمایا ہے:

''سیاق وسباق کی روشنی میں یہ زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ اشرار نے ان کو شہید کردیا اس وقت اسے یہ بشارت ملی۔''

لہٰذا جب سیاقِ کلام کا یہی تقاضا ہے تو پھر کسی قوی دلیل کے بغیر اسے ہجرت یا وفات کے وقت بشارت پر محمول کرنا قرین انصاف نہیں۔

(۱۳)

جرعات

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

ہلال وصلیب کی تاریخی کشمکش انیسویں صدی میں جب متحرک ہوئی تو اس نے خلافت اسلامیہ یعنی مسلمانوں کی اجتماعیت کو تاراج کرنے کے لیے ترکی میں سازشیں اور دسیسہ کاریاں شروع کر دیں، اور دوسرا برصغیر میں ۱۰۰۰ سال سے قائم مسلمانوں کی مغل حکومت کی شکست وریخت کر کے اس میں آباد مسلمانوں کے اکٹھ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے کو صلیب نے کامیابی کی کلید جان لیا اور اس کے لیے تخریبی منصوبے...... تنسیخ جہاد کا فتویٰ، جعلی نبوت کا پرچار اور مسلمانوں کے مابین تکفیر کے فتوے...... شروع کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تکوینی امر سے ترکی اور ہندوستان کو دو ایسی شخصیتوں سے نواز دیا جنھوں نے تاریخ کے مطالعے اور اپنے علم کی روشنی ومشاہدے سے مسلمانوں سے ہمدردی کے باعث صلیب کی حکمت عملی کو جان کر صلیب کو نشانے پر رکھ لیا۔ ہندوستان کی وہ عبقری شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد تھے اور ترکی کے جمال الدین افغانی رحمہ اللہ۔ مولانا ابوالکلام کی نصف صدی سے زیادہ سیاسی جدوجہد سے انگریز کو بالآخر ہندوستان چھوڑنا پڑا۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ جب علم ومطالعہ کی دنیا میں داخل ہوئے تو انھیں پڑھنے کو بجنور کا اخبار مدینہ، پنجاب کا زمیندار، کلکتے کا الہلال ملا۔ جن کے متواتر مطالعے سے صلیب دشمنی ان کے فکر وخیال میں سرایت کر گئی اور وہ سیاست میں بطور کارکن عملاً داخل ہو گئے، چنانچہ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے وقت وہ جمعیۃ علماء ہند ڈسٹرکٹ فیروزپور کے نائب صدر تھے اور جمعیۃ علمائے ہند بھی مولانا آزاد کے سیاسی مقصد یعنی استخلاص ہند ہی کی ہم نوا تھی۔ اس ناطے مولانا حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ مولانا آزاد کے علمی تفوق اور سیاسی حکمت عملی سے مرعوبیت کے باعث ان سے عقیدت ونیاز مندی کا رشتہ قائم ہو چکا تھا جس کا اظہار پیش نظر اداریے میں نمایاں اور واضح نظر آئے گا۔ لیکن ملاحظہ فرمائیں کہ مولانا بھوجیانی نے عقیدت ونیاز مندی کو سیاست تک ہی محدود رکھا، مولانا آزاد کے فکری تفردات کے بارے میں خاطر جمع رکھا اور کسی بھی رائے زنی سے مجتنب رہے۔ مولانا بھوجیانی فرمایا کرتے تھے کہ میری سیاست ۱۹۴۷ء میں ختم ہو گئی تھی کہ میری سیاست کا مقصد برصغیر سے انگریز کو نکال باہر کرنا تھا، اسی وجہ سے ۱۹۴۷ء کے بعد بعض دینی، مذہبی تحریکات وتنظیمات میں تو وہ شامل رہے لیکن ان کی سیاسی سرگرمی کوئی نہ رہی۔ (احمد شاکر)

(۱۵)

آہ! امام الہند:

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ مے نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں!

آہ! کیوں کر کہیے کہ آسمان علم وفضل کے درخشندہ آفتاب، بزم تحقیق کی شمع فروزاں سرآمد روزگار حکیم، امراضِ ملت کے ماہر طبیب، علوم قدیم وجدید کی جامع ہستی، دنیائے اسلام کے جید عالم، تدبر وفراست کے ذروۂ علیاء پر فائز شخصیت، جنگ آزادی کے بہادر جرنیل، کروڑوں انسانوں کے محبوب راہنما، جبل استقامت، عفو وحلم مجسم، مخلص وبے لوث زعیم، ہند وپاک کے مسلم امام حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ عزوجل رحمۃ واسعۃ نے ۲۲؍ فروری ۱۹۵۸ء کو ۲ بجے رات کے مبارک وقت میں بہ مقام دہلی داعی اجل کو لبیک کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

إنا لله وإنا إليه راجعون.

آہ وہ دماغ کا بادشاہ، دل کا درویش، آتش بیان خطیب، ابوالکلام ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا اور یوں نصف صدی کی یہ پوری تاریخ اپنوں اور پرایوں سے یہ کہتی ہوئی دفن ہو گئی ؎

لو آج مرگِ فانی بے کس سے مٹ گئی
وہ اک ''خلش'' جو خاطر اہل ''وطن'' میں تھی

بھارتی مسلمانوں کے لیے مولانا حسین احمد رحمہ اللہ کا صدمہ ہی کیا

کم تھا کہ ان کے بعد جلد ہی اس حادثۂ فاجعہ سے بھی انھیں دوچار ہونا پڑا۔ مولانا مرحوم ومغفوراُن کی امیدوں کا آخری سہارا تھے۔ ان کے وصال باللہ کے بعد وہ جس قدر دل فگار اور سراسیمہ ہیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر سیّد محمود (سابق وزیر تعلیم، بہار) جیسے بزرگ اس موقع پر بے ہوش ہوگئے۔ لیکن اس کارخانۂ ہست وبود میں کسے دوام ہے۔

انیسویں صدی مسیحی کا آخر اور بیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ وہ ہے جب انگریز کا طوطی خوب بول رہا تھا۔ خصوصاً مشرق وسطیٰ اور اُس وقت کے ہندوستان میں اس کی فرعونیت عروج پر تھی۔ وہ مغل حکومت پر غاصبانہ قبضہ جما کر بدمست ہورہا تھا اور ترک حکومت کو اپنا حریف سمجھ کر اپنی عیارانہ چالوں سے اسے ٹھکانے لگانے میں مصروف تھا۔ جہاں مسلمان اس کے محکوم تھے، وہاں مقہور ومجبور تھے۔ اور اس کے انواع واقسام کے مظالم کے شکار، مسلمان حکومتیں جہاں تھیں، مرعوب اور سہمی ہوئی۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے دست گیری فرمائی اور دو عبقری پیدا کر دیے: علامہ جمال الدین افغانی اور مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد۔ ان دونوں نے قدیم مدارس عربیہ کے طریقے پر تعلیم پائی۔ حالات کا مطالعہ کیا۔ اسلام ومسلمانوں کے متعلق انگریز کے طرزِ عمل کو دیکھا تو ان کے حساس دل اس صورتِ حال سے تڑپ اُٹھے۔ وہ جان کی بازی لگا کر کارزار سیاست میں اتر پڑے اور اپنی ساری خداداد صلاحیتیں اس راہ میں صرف کردیں اور اس زور سے ''کنجشک فرومایہ'' کو ''شاہین'' سے لڑادیا کہ ہندوستان اور تھوڑے دنوں بعد مصر سے انگریز بہادر بوریا بستر باندھ کر رخصت ہونے پر مجبور ہوگیا۔ يخربون بيوتهم بأيديهم وأيدي المؤمنين فاعتبروا يا أولي الأبصار!

ایشیا کے ان دونوں مسلمان مفکروں کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا اصل حریف دشمن عیسائی اور انگریز ہیں۔ اسی نکتے پر انھوں نے اپنی مساعی مرکوز کردیں۔ وہ ہر اُس کانٹے کو راہ سے ہٹانا ضروری سمجھتے جس سے انگریز اور انگریزیت کو فائدہ پہنچا ہو اور ہر اُس طریق پر گامزن ہوجاتے جس سے انگریز کو شکست دینے میں مدد ملے۔ اور صلیب وہلال کی تاریخی کشمکش سے باخبر۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ نظریۂ سیاست مبنی بر حقائق نہیں تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہند کے بعد انگریز کی منتقمانہ درندگی نے مسلمانوں کے فعال عنصر کو کچلنے کی ٹھان لی اور اسلام کو اِس ملک سے ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اسلامی عقائد ونظریات اور مسائل واعمال کے خلاف زہر چکانی کے لیے مسیحی مشنری پھیلا دیے گئے۔ عیسویت کی اشاعت کے لیے پر زور تحریک شروع کردی گئی۔ تعلیمی نظام اپنے حسب منشا مرتب کر کے رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت اور قرآن مجید کی صداقت اور اسلام کے بنیادی عقائد کو کمزور کرنے کی سکیم تیار کرلی۔ پرانی اسلامی تہذیب کے بچے کھچے جو لوگ رہ گئے تھے ان میں سید احمد خاں صاحب، جن کو بعد میں سرسیّد بنا دیا گیا، سوجھ بوجھ والے تھے۔ دل بھی حساس پایا تھا مگر ان پر آخر انگریز کا جادو چل گیا جس کے نتیجے میں جاگیردار اور دفتری قسم کے طبقوں نے انگریز سے صلح کرلی۔ اور سرسیّد تو ایسے مسحور ہوئے کہ آخر دم تک انگریز اور انگریزیت کی محبت میں سرشار رہے۔ اور ایسی غلط روش پر قوم کو چلایا جس کے نتائج اب تک مسلمان بھگت رہے ہیں۔ وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا!

پھر ہندو کو بھی انگریز نے اس طرح تھپکی دی کہ ہندو مسلمان پھر کبھی متحد ہوکر ۵۷ء کی سی صورتِ حال پیدا نہ کرسکیں۔

ادھر علمائے کرام کو عیسائی حکومت کی سرپرستی میں مسیحی مبلغین کے اودھم مچانے اور سرسیّد کی خلافِ اِسلام پالیسی کی وجہ سے بجا طور پر اسلام اور علوم عربیہ کے تحفظ کی فکر پڑگئی کہ مبادا عیسائی حکومت یہاں بھی اندلس کی طرح اسلام وعلوم اسلامیہ کو نیست ونابود ہی کردے۔ اس بنا پر دہلی میں شیخ الکل حضرت مولانا سیّد محمد نذیر حسین صاحب محدث رحمہ اللہ، دیوبند میں مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ، بھوپال میں حضرت مولانا سیّد محمد صدیق حسن خاں صاحب رحمہ اللہ، لکھنو میں علمائے فرنگی محل اور ان سب بزرگوں کے تلامذہ نے تدریس وتصنیف میں

مصروف جہد وعمل ہو کر اسلام کے علمی وعملی محاذ کو مضبوط کر لیا۔

ان مختلف عوامل کی وجہ سے اُفق ہند پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ انگریز بڑے اطمینان سے کوس "لمن الملك" بجا رہا تھا اور ساری مسلمان قوم میں جماعت اہل حدیث کے مجاہدین ہی تھے جو حضرت مولانا ولایت علی رحمہ اللہ کی قیادت میں ہندوستان کے اندر اور اس کی شمال مغربی سرحد تک پھر اسلامی جہاد کی شمع روشن کر کے انگریز کے لیے وجہ سر درد بنے ہوئے تھے۔

تاریخ کے اس تاریک اور نازک ترین دور میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نور الله ضريحه وقدس روحه کا "الہلال" طلوع ہوا جس کی تابانیوں سے ملک کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا۔ اس نے تھوڑی ہی مدت میں بتا دیا کہ وہ مسلمان کے لیے "ہلال" ہے تو انگریز کے لیے ایک بجلی ہے جو اُس کے ایوانِ سطوت وجبروت پر گر رہی ہے۔ اس کی گھن گرج نے اس قلعے میں بھی، جو سرسیّد کی آڑ میں انگریز نے بنا رکھا تھا، شگاف پیدا کر دیا۔

اس کی دعوتِ حق نے علمائے کرام کو اس قدر جھنجھوڑا کہ انھوں نے اس راہ میں مسندیں قربان کر دیں۔ اس نے صوفیاء کو اِس زور سے پکارا کہ وہ خانقاہوں سے باہر نکل آئے۔ اس مردِ حق آگاہ کی آواز میں وہ تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی کہ مسلمانانِ ہند کے ہر مکتب فکر کا فعال وکامل عنصر جہادِ حریت میں متحد العمل نظر آنے لگا۔ اس کی مخلصانہ مساعی میں اس قدر اثر تھا کہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز اور اس کے کاسہ لیسوں کے علی الرغم ہندو مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔

انگریز کی ضرب المثل عیارانہ سیاست نے کیا کیا جتن نہیں کیے کہ سونے کی چڑیا ہندوستان اس کے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔ مگر ایشیا کے اس بطل جلیل اور ہندوستان کے اس مجاہد کبیر کی عبقری ذہانت، عمیق تدبر اور کوہ وقار عزیمت نے انگریزی ڈپلومیسی کو ہر مقام پر شکست دے دی۔

بالآخر انگریز کو اپنی سیاست کا رخ بدلنا پڑا لیکن نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی پروردہ اس کو یہاں ٹھہرا نہ سکا بلکہ اس کی قہرمانیت بھی خاک میں مل گئی۔ اور جس سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا وہ اب تیسرے درجے کی طاقت بن کر رہ گیا ہے کہ ع

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ ہے بجا طور پر امام الہند کا فاتحانہ کارنامہ جس میں ان کا اس صدی میں کوئی سہیم وشریک نہیں ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

مولانا سیاست ہی میں عبقری نہ تھے، علم میں بھی کامل اور کلام کے بادشاہ تھے۔ خطابت میں جلال وجمال کی حسین آمیزش، طرزِ نگارش والہانہ بھی اور عالمانہ بھی۔ اس میں نقل بھی اور عقل بھی! (۱) ناممکن ہے کہ قلب سلیم اس سے اثر حق قبول نہ کرے۔

"الہلال" کے مقالات کے ذریعے آپ نے قدیم علماء کو، جو ۱۸۵۷ء کے بعد عام طور پر تدریس وتبلیغ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے، پھر سے سیاست کے میدان میں لا کر کھڑا کر دیا۔ ان کو محسوس کرا دیا کہ سیاست بھی مذہب ہی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اور اصحابِ سیاستِ جدید کو بتلایا کہ اصلاً سیاست وہی ہے جو قرآن وحدیث اور خلافت راشدہ کی راہنمائی میں ہو۔

سرسیّد کی جو فکری گمراہیاں "تہذیب الاخلاق" اور "تفسیر القرآن" کی وجہ سے انگریزی تعلیم یافتگان میں رواج پا رہی تھیں اور جن سے ان کے ذہن مسموم ہو رہے تھے، الہلال نے ان کے زائل کرنے میں بھی بڑا کام کیا، اسلامی معاشرت اور تفسیر صحیح کی طرف ان کی راہنمائی کی۔

"الہلال" کے بعد "تذکرہ" آپ کی تصانیف کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ اور کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اگر آپ عملی سیاسیات میں نہ پڑتے تو دوسرے شاہ ولی اللہ ہوتے۔

"تذکرہ" کے بعد "مسئلہ خلافت" اور "جزيرة العرب" اگرچہ ایک خاص نقطہ نظر کے تحت بطور خطبہ لکھی گئی ہے، تاہم تحقیقات نادرہ پر مشتمل ہے۔ "غبار خاطر" ادبی اعتبار سے اردو ادب میں منفرد کتاب

(۱) یعنی منقولات اور معقولات کا امتزاج۔

ہے۔''ترجمان القرآن'' مولانا کی بہترین تفسیری یادگار ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم سے آپ کو کس قدر شغف تھا اور یہ کہ قحطِ علم کے اس دور میں کیسی قرآنی بصیرت آپ کو ودیعت فرمائی گئی تھی۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ عصری نظریات سے غالباً غیر شعوری تاثر کی وجہ سے اس میں ''الہلال'' اور ''تذکرہ'' کا دعوتی معیار قائم نہ رہ سکا۔

ولكل جواد كبوة، والمعصوم من عصمه الله تعالى، ولله در من قال من السلف: وكل أحد يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله ﷺ.

وادریغا! فضل وکمال کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔ علم وادب کی محفل سونی ہوگئی۔ سیاست ملی کا ایوان ویران ہوگیا۔ ایسی ہستیاں صدیوں میں کہیں پیدا ہوتی ہیں۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
برفت از بزم علم آں حکیمے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه، وأكرم نزله ووسع مدخله، ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس، وأبدله دارا خيرا من داره وأهلا خيرا من أهله، وقه فتنة القبر وعذاب النار.

(ماہنامہ ''رحیق'' جلد:۲، شمارہ:۸۔ مجریہ مارچ ۱۹۵۸ء)

افتاء

قانون میعاد سماعت

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف حفظہ اللہ

سوال: اسلامی قوانین زائد المیعاد مقدمہ کی سماعت کا کیا حکم ہے۔ چونکہ مجھے مقدمات کے سلسلے میں عدالتوں میں آنا جانا پڑتا ہے، اس لیے مجھے اس مسئلے کا شرعی حکم معلوم کرنا ناگزیر ہے۔

(ولی اللہ خان بن مولانا محمد حسین بلوچ)

جواب: واضح ہو کہ اسلامی قوانین قانون میعاد سماعت سراسر غیر اسلامی قانون نہیں اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام کی تاریخ میں شفعہ کو چھوڑ کر اِس نوعیت کے قوانین کبھی نافذ نہیں رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عدالتیں بھی میعاد سماعت کا لحاظ کرتی رہی ہیں۔ خاص طور سے ترکی خلافت کے دور میں عالم اسلام کے تمام قاضی خلیفۂ وقت کی مقرر کردہ میعاد سماعت پر عمل کرتے رہے اور فقہائے اسلام نے ان کے اس عمل کی نہ صرف توثیق کی ہے بلکہ خلیفۂ وقت کے منشور جاری ہونے کے بعد اِس کو واجب العمل بھی قرار دیا ہے۔

"الأشباہ والنظائر" کے مشہور شارح علامہ حموی رحمہ اللہ نے اپنے دور کے بارے میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے کے سلاطین نے قاضیوں کو یہ حکم دیا ہوا ہے کہ وقف، ہبہ یا وراثت کے سوا کوئی دعویٰ، بنائے دعویٰ قائم ہونے کے پندرہ سال بعد قابل سماعت نہ سمجھیں۔ اور فتاویٰ حامدیہ میں، جس کی تنقیح علامہ ابن عابدین شامی نے کی ہے، اس مسئلے پر چاروں مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے فقہاء کے فتاویٰ نقل کیے گئے ہیں جو اِس بات پر یک زبان ہیں کہ سلطان کی طرف سے اس ممانعت کے اِجرا کے بعد پندرہ سال بعد کوئی مقدمہ دائر نہ کیا جائے۔ البتہ خیر الدین رملی رحمہ اللہ نے فتاویٰ خیریہ میں اس کی یہ تصریح فرمائی ہے کہ اس بارے میں ہر خلیفہ کی طرف سے از سرِ نو حکم جاری ہونا میعاد سماعت کی پابندی کے لیے ضروری ہے۔

البتہ مختلف زمانوں میں مختلف میعادیں مقرر کی گئی ہیں۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں بعض مقدمات کے لیے پندرہ برس اور بعض کے لیے تینتیس برس اور بعض کے لیے چھتیس برس کی مدتیں مقرر کی گئی ہیں۔

درمختار میں ہے:

"القضاء مظهر لا مثبت ولا يتخصص بزمان ومكان وخصومة حتى لو أمر السلطان بعدم سماع الدعوى خمسة عشر سنة فسمعها لم ينفذ، قلت: فلا سمع الآن بعدها إلا بأمر."

اس کے تحت علامہ شامی نے اس مسئلے پر کافی مفصل بحث کی ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے:

"قال المتأخرون من أهل الفتوى: لا سمع الدعوى بعد ست وثلاثين إلا أن يكون المدعي غائبا أو صبيا...... إلخ."

بلکہ علامہ شامی نے شمس الائمہ سرخسی سے نقل کیا ہے:

"إذا ترك الدعوى ثلاثة وثلاثين سنة ولم يكن مانع من الدعوى ثم ادعى لا تسمع دعواه."

(رد المختار، ص: ٢٤٤)

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ خلافت عباسیہ کے دور کے ہیں جس سے واضح ہوا میعاد سماعت کا یہ تصور خلافت عباسیہ کے دور میں بھی موجود تھا۔

علامہ شامی کی مذکورہ تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میعاد سماعت کا یہ تصور غیر اسلامی نہیں بلکہ اسلامی عدالتیں ہر دور میں کسی نہ کسی طرح اور کسی شکل میں اس پر عمل پیرا رہی ہیں۔

البتہ یہاں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ محض تاخیر کی بنا پر ایک صاحبِ حق کو حق سے محروم کرنے کا کیا جواز ہے؟ موجودہ قوانین میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ قانون چوکس لوگوں کی مدد کرتا ہے، غافلوں کی نہیں۔ عدالتی مخاصمتوں کی کوئی انتہا ہونی چاہیے۔ نصفت کے یہ مقولے موجودہ قوانین کے حق میں اس پوری طرح اطمینان بخش نہیں ہوئے کہ وہاں دیانت اور قضا کی کوئی تفریق کم از کم عملاً نہیں، عملاً اِس لیے کہا کہ اصولی طور پر موجودہ قوانین میں بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ میعاد سماعت سے چارہ جوئی ختم ہوجاتی ہے، حق ختم نہیں ہوتا بلکہ جو حق عدالت سے مسترد ہوگیا وہ حق ہی نہیں رہا۔ اس کی بجائے اسلامی فقہ میں دیانت اور قضا کے احکام ساتھ ساتھ چلتے ہیں، لہٰذا اگر عدالت نے کسی حق کا تصفیہ کرنے سے انکار کردیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حق نہیں رہا بلکہ وہ حق موجود ہے اور جس کے ذمہ حق ہے اس پر دیانتاً فرض ہے کہ وہ اسے صاحبِ حق تک پہنچائے، خواہ کتنا زمانہ بیت چکا ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو عدالت خواہ اُسے کچھ نہ کہے لیکن وہ گناہ گار ہوگا۔ فقہاء کا یہ مقولہ "الأشباہ والنظائر" وغیرہ کے اندر موجود ہے۔

"الحق لا یسقط بتقادم الزمان" یعنی زمانہ گزر جانے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ اس سے مراد یہی ہے کہ میعاد سماعت گزر جانے کے باوجود وہ حق موجود ہے جس کا ایک اثر تو اخروی ہے کہ اس حق کو تلف کرنے والا گناہگار ہوگا، دوسرا اثر دنیوی ہے کہ جس شخص کو بھی اس حق تلفی کا علم یقینی ہوگا وہ اس پر فاسق کے احکام جاری کرے گا جس سے اس کے سارے معاملات متاثر ہوں گے۔

تیسرا اثر یہ ہے کہ اگرچہ عدالت اس مسئلے کو سننے سے انکار کرچکی ہے لیکن اگر خلیفہ کے پاس اپیل پہنچے اور وہ محسوس کرے کہ مقدمہ جاندار ہے اور اس میں چالبازی بظاہر نہیں ہے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ اسے کسی قاضی کے پاس بھیج سکتا ہے۔ اس صورت میں قاضی اس کی سماعت کرے گا۔ (شامی : ٤ / ٣٤٣)

نیز اسی صورت میں صاحبِ حق قاضی کو ثالث بنا کر بھی فیصلہ کروا سکتا ہے۔ اس سے صاف واضح ہوا کہ صرف زبانی طور پر نہیں بلکہ عملاً بھی میعاد سماعت سے حق ساقط نہیں۔ البتہ میعاد سماعت مقرر کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مدت دراز گزرنے کے بعد اگر حق سماعت باقی رکھا جائے تو اس سے ایک طرف تو مقدمات میں مکر وفریب اور جھوٹی گواہیوں کا امکان بڑھ جائے گا کیوں کہ مدت دراز گزرنے کے بعد واقع کے عینی شاہدوں اور گواہوں کا ملنا مشکل ہوجاتا ہے اور اگر مل بھی جائیں تو واقعہ کی پوری تفصیل یاد نہیں رہتی، اس لیے اس قسم کے مقدمات عدالتوں میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مقدمات میں غیر ضروری تعویق ہو اور لاینحل مسائل کھڑے ہوجائیں۔ میعاد سماعت کی یہی حکمت ہمارے فقہاء نے بھی بیان فرمائی ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی اس میعاد سماعت پر سیر حاصل بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ قانون میعاد سماعت کو سراسر غیر اسلامی قرار دینا مناسب نہیں ہے بلکہ اسلامی فقہ میں اس کی بنیاد موجود ہے۔ اور جب بھی شریعت کی بنیاد پر موجودہ قوانین کی تدوین نو کی جائے گی تو اس قانون کو بالکلیہ مسترد یا منسوخ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر مذکورہ فقہی بنیادوں پر نظر ثانی کی جائے گی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس قانون میں اتنی ترمیم کی ضرورت نہیں ہوگی جتنی دوسرے بہت سے قوانین میں پیش آئے گی۔

حافظ محمد دین (سرگودھا) کی رحلت

حافظ محمد دین صاحب سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ضلع سرگودھا ۲ مئی ۲۰۱۲ء بروز بدھ وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سرگودھا کے ممتاز عالم دین، صالح اور باعمل شخصیت تھے۔ ان کی نماز جنازہ میں کثیر احباب جماعت کے علاوہ میاں محمد جمیل، حافظ عبدالوہاب روپڑی، میاں عبدالستار آزاد شریک ہوئے۔ نماز جنازہ پروفیسر ساجد میر صاحب نے پڑھائی۔

احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (عطاء محمد جنجوعہ)

انبیاء علیہم السلام اور عام آدمی کے خواب میں فرق

محمد ابراہیم سلفی

انبیاء علیہم السلام کے خواب کی حیثیت:

جس طرح انبیاء علیہم السلام دوسرے لوگوں کی نسبت اعلیٰ اور ارفع درجے پر فائز ہوتے ہیں، اسی طرح ان کے خواب بھی وحی کی حیثیت رکھتے ہیں، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((رؤيا الأنبياء وحي.)) (جامع ترمذی، رقم الحديث: ٣٦٨٩، المعجم الكبير للطبراني: ٦/١٢)

''انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔''

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً مروی ہے جب کہ امام ابن ابی حاتم نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کو مرفوع بیان کیا ہے۔

(تفسير ابن أبي حاتم: ١٠/ ٣٢٢١)

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنی خالہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات ٹھہرا۔ جب تھوڑی رات باقی رہ گئی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر ایک لٹکے ہوئے مشکیزے سے ہلکا سا وضو کیا، عمرو اس کا ہلکا پن اور معمولی ہونا بیان کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح وضو کیا، پھر آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پھیر کر اپنی دائیں جانب کر لیا۔ پھر نماز پڑھی جتنی اللہ کو منظور تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ کر سو گئے حتیٰ کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مؤذن حاضر ہوا۔ اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ نماز کے لیے تشریف لے گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ (سفیان جو کہ راوی حدیث ہیں کہتے ہیں کہ) ہم نے عمرو سے کہا:

"إن ناسا يقولون: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم تنام عينه ولا ينام قلبه. قال عمرو: سمعت عبيد بن عمير يقول: رؤيا الأنبياء وحي، ثم قرأ: ﴿إِنِّىٓ أَرَىٰ فِى ٱلْمَنَامِ أَنِّىٓ أَذْبَحُكَ﴾ [الصافات: ١٠٢]"

(صحيح بخاری، رقم الحديث: ١٣٨)

''بے شک کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں، دل نہیں سوتا تھا۔ عمرو نے کہا: میں نے عبید بن عمیر سے سنا، وہ کہتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں، پھر (قرآن کی یہ) آیت پڑھی: ''میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نیند عام لوگوں کی نیند کی طرح نہیں تھی کہ وہ غفلت کی نیند سو جائیں، اسی لیے تو آپ نے وضو نہیں کیا بلکہ پہلے وضو سے ہی نماز پڑھی۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ معراج بیان کرتے ہیں کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین فرشتے آئے اور وہ آپس میں گفتگو کرنے کے بعد واپس چلے گئے:

"حتى أتوه ليلة أخرى فيما يرى قلبه وتنام عينه ولا ينام قلبه، وكذلك الأنبياء تنام أعينهم ولا تنام قلوبهم."

(صحيح بخاری، رقم الحديث: ٧٥١٧)

''یہاں تک کہ وہ دوسری رات آئے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دیکھ رہا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سو رہی تھیں لیکن

دل نہیں سو رہا تھا، انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے، ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل نہیں سوتے۔''

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ صرف ہمارے نبی ﷺ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نیند میں آنکھیں سوتیں اور دل بیدار رہتے تھے۔

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی ''سورۃ الصافات'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"أمر الله تعالى إبراهيم عليه السلام في المنام ثلاث ليال متتابعات، لافي اليقظة، بذبح ابنه، لأنه تعالى جعل رؤيا الأنبياء عليهم السلام حقا لتقوية الدلالة على كونهم صادقين. قال تعالى في حق إبراهيم عليه السلام ﴿اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ﴾ وقال سبحانه في حق يوسف عليه السلام: ﴿اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ﴾ وقال تعالى في حق محمد ﷺ خاتم النبيين: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾"

(التفسير المنير: ١٢/ ١٣٦)

''اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مسلسل تین راتیں خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا، نہ کہ بیداری میں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے خوابوں کو بھی سچا بنایا ہے، تاکہ ان کے سچا ہونے پر پختہ دلالت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا: ''(انھوں نے اپنے بیٹے کو کہا:) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بے شک میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اور سیّدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''(جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا:) میں نے گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔'' اور خاتم النّبیین سیّدنا محمد ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خواب سچا دکھایا کہ ان شاء اللہ آپ یقیناً پورے امن وامان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام کے خواب، بخلاف امتی کے، وحی ہوتے ہیں۔ اور وحی ہر قسم کے خلل سے محفوظ ہوتی ہے۔'' (فتح الباری: ۸/۱۴۲)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قال محمد بن كعب: كانت الرسل يأتيهم الوحي من الله تعالى إيقاظا ورقودا، فإن الأنبياء لا تنام قلوبهم، وهذا ثابت في الخبر المرفوع، قال ﷺ: ((إنا معاشر الأنبياء تنام أعيننا ولا تنام قلوبنا)) وقال ابن عباس رضي الله عنهما: رؤيا الأنبياء وحي." (تفسير القرطبي: ١٥/ ٩١)

''محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کے پاس وحی نیند اور بیداری (دونوں حالتوں) میں آتی ہے، بے شک انبیاء کے دل نہیں سوتے اور یہ بات مرفوع حدیث سے بھی ثابت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''بے شک ہم انبیاء کی جماعت ہیں، ہماری آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے۔'' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء کے خواب وحی ہیں۔''

علامہ شوکانی رحمہ اللہ ''فتح القدیر'' میں ﴿اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا﴾ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ انبیاء کے خواب وحی ہیں۔ (فتح القدیر: ۳/ ۹)

اسی طرح ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"عن قتادة، قوله ﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ﴾ قال: رؤيا الأنبياء حق، إذا رأوا في المنام شيئا فعلوه. عن عبيد بن عمير قال: رؤيا الأنبياء وحي، ثم تلا هذه الآية: ﴿اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ﴾"

(تفسير الطبري: ١٢/ ٧٨)

''حضرت قتادہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: ﴿یَا بُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ﴾ (اے میرے بیٹے! بے شک میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔) انبیاء کے خواب حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جب خواب وہ میں کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اس (کام کو) کرتے ہیں۔ اور عبید بن عمیر نے کہا: انبیاء کے خواب وحی ہیں، پھر اس کی تائید میں یہ آیت پڑھی: ﴿یَا بُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ﴾''

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

"رؤيا الأنبياء وحي كالوحي في اليقظة."

(روح المعاني: ۲۳/ ۱۲۸)

''انبیاء کے خواب اسی طرح کی وحی ہیں جس طرح بیداری میں وحی ہوتی ہے۔''

یعنی بیداری میں نازل ہونے والی وحی کی جو حیثیت ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وہی درجہ رکھتے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی لکھتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام کے خواب رؤیاء صادقہ اور وحی الٰہی ہوتے ہیں۔ اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام رضا وتسلیم کا پیکر بن کر تیار ہوگئے کہ اللہ کے حکم کی جلد سے جلد تعمیل کریں۔''

(قصص القرآن: ۱/۲۳۶)

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے:

''اگر انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی نہ ہوتے تو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اس (خواب) کی بنا پر بیٹے کو ذبح کرنے جیسا قدم کبھی نہ اٹھاتے۔'' (عمدة القاري: ۲/ ۳٦٤)

تفسیر ''معارف القرآن'' میں لکھا ہے:

''یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اس لیے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دو۔'' (معارف القرآن: ۷/ ٤٥٨)

سید قطب شہید یوں رقم طراز ہیں:

''وہ بچہ ابھی اپنی معصوم عمر ہی میں ہے۔ بوڑھے باپ نے اس کو سیر ہو کر دیکھا بھی نہیں۔ وہ ابھی اس سے مانوس بھی نہیں ہوا۔ اس کا بچپن کلی کی طرح کھل رہا ہے اور وہ بچہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ دوڑ کر چلنے لگا ہے۔ وہ اس کی تنہا زندگی کا رفیق بن رہا ہے۔ ابھی ابراہیم علیہ السلام نے اس کی جوانی بھی نہیں دیکھی کہ خواب میں اس کو ذبح کرتے ہوئے دیکھتا ہے، آخر یہ نبی کا خواب ہے۔ جو عام افراد جیسا نہیں بلکہ وحی ہے، اس نے سمجھ لیا کہ یہ اس کے رب کی طرف سے اشارہ ہے، وہ کسی تردد، شک اور جھجک کا شکار نہیں ہوتا، اس کے دل میں اگر کوئی خیال آتا ہے تو یہی کہ سرِ تسلیم خم کر دو۔'' (تفسیر فی ظلال القرآن: ۸/ ۲٦٠)

سید مودودی رحمہ اللہ ''تفہیم القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''﴿قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ [الصافات: ۱۰۲]

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ پیغمبر باپ کے خواب کو بیٹے نے محض خواب نہیں بلکہ اللہ کا حکم سمجھا تھا۔ اب اگر یہ فی الواقع حکم نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ صراحتاً یا اشارۃً اس امر کی تصریح فرما دیتا کہ فرزند ابراہیم نے غلط فہمی سے اس کو حکم سمجھ لیا لیکن پورا سیاق وسباق ایسے کسی اشارے سے خالی ہے۔ اسی بنا پر اسلام میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ انبیاء کا خواب محض خواب نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ ظاہر ہے کہ جس بات سے ایک اتنا بڑا قاعدہ خدا کی شریعت میں شامل ہوسکتا ہو وہ اگر مبنی بر حقیقت نہ ہوتی بلکہ محض ایک غلط فہمی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی تردید نہ فرماتا۔ قرآن کو کلام الٰہی ماننے والے کے لیے یہ تسلیم کرنا محال ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی بھول چوک بھی صادر ہوسکتی ہے۔''

(تفہیم القرآن : ٤/ ٢٩٥)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ذہانت اور علم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان (اسماعیل علیہ السلام) کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا بلکہ محض ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اور یہ خواب بھی درحقیقت حکم الٰہی کی ہی ایک شکل ہے، چنانچہ انھوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکم الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔''

(معارف القرآن : ٧/ ٤٥٩)

امام رازی رحمہ اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں لکھتے ہیں:

"إنه رأى في المنام أنه يذبحه، ورؤيا الأنبياء علیہم السلام من باب الوحي."

(التفسیر الکبیر: ٢٦/ ١٤١)

''ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اسے (اپنے بیٹے کو) کو ذبح کر رہے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی کی ایک قسم ہوتے ہیں۔''

انبیاء علیہم السلام کے خوابوں کی اقسام:

انبیاء علیہم السلام کے خواب تین اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں:

پہلی قسم:...... بعض خواب ایسے ہوتے ہیں کہ جس طرح دیکھے جائیں بعینہٖ اسی طرح واقع ہوتے ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب ہے: ﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ ''البتہ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے۔''

تو یہ خواب اسی طرح پورا ہوا۔

دوسری قسم:...... جس طرح خواب دیکھا، اس کے الٹ واقع ہو، جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے۔ خواب میں تو دیکھا تھا کہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں لیکن اس کی جگہ مینڈھے کا فدیہ آ گیا اور بیٹا بچ کر سرخرو ہوگیا۔

تیسری قسم:...... جو خواب دیکھا ہو اُس کے ساتھ کوئی مناسبت ہو، جیسے یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے، چاند اور سورج سجدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر میں سجدہ تو ہوگیا لیکن ستاروں کی جگہ بھائیوں نے اور چاند سورج کی جگہ ماں باپ نے سجدہ کیا۔

(التفسیر الکبیر: ٢٦/ ١٤٥)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب وحی کا درجہ رکھتا تھا تو پھر بیٹے سے پوچھنے کا مقصد کیا تھا۔ اس کا جواب مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ یوں لکھتے ہیں:

''چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ خواب بتا کر ان کی رائے دریافت کی۔ آپ علیہ السلام نے یہ رائے اس لیے دریافت نہیں کی تھی کہ اگر بیٹا اس بات پر آمادہ نہ ہو یا وہ انکار کر دے تو آپ علیہ السلام اللہ کے اس حکم کی تعمیل سے باز رہیں گے بلکہ اس لیے پوچھا تھا کہ آیا یہ فی الواقع صالح بیٹا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ آپ علیہ السلام نے جو دعا کی تھی وہ صالح بیٹے کے لیے کی تھی۔'' (تیسیر القرآن : ٣/ ٧١٤)

مزید لکھتے ہیں:

''حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب میں کہا: ﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ ''ابا جان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے کر گزریں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ خواب سن کر سیدنا اسماعیل علیہ السلام بھی اسی نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، جس سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔''

(تیسیر القرآن : ٣/ ٧١٤)

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے سامنے خواب بیان کر کے مشورہ اس لیے طلب کیا تھا تاکہ وہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائے اور اجر وثواب کا مستحق بننے کے لیے اللہ کے حکم کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دے، ورنہ انبیاء علیہم السلام کے خواب تو وحی ہوتے ہیں۔ ان پر عمل کرنا ضروری

ہے۔“(التفسیر المنیر: ۱۲/ ۱۳۳)

عام آدمی کے خواب کی حقیقت:

عام آدمی کے خواب سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ جہاں بعض خواب سچے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور خوش خبری کا درجہ رکھتے ہیں، وہاں دوسرے کچھ خواب جھوٹے، ڈراؤنے اور پراگندہ خیالات کا مجموعہ بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الرؤيا ثلاث: فالرؤيا الصالحة بشرى من الله، ورؤيا تحزين من الشيطن، ورؤيا مما يحدث المرء نفسه.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٥٩٠٥)

”خواب تین طرح کے ہیں: ایک تو اچھے خواب جو اللہ کی طرف سے خوش خبری ہیں، (دوسرے) شیطان کی طرف سے پریشان کن خواب ہیں اور (تیسرے) وہ خواب جو اپنے دل کے خیالات کے نتیجے میں ہوتے ہیں۔“

انبیاء کے علاوہ عام لوگوں کے خوابوں میں تینوں قسموں کا پایا جانا ممکن ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”انبیاء کے علاوہ عام لوگوں کے خواب میں بعض دفعہ شیطان در اندازی کرتا ہے اور کبھی کبھی شیطان فرشتوں کی شکل بنا کر اُلٹے سیدھے کاموں کا حکم دیتا ہے۔“

(فتح الباري: ٨/ ١٤٢)

سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((جاء أعرابي إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله ﷺ! رأيت في المنام كان رأسي ضرب فتدحرج فاشتدت على أثره، فقال رسول الله ﷺ للأعرابي: ((لا تحدث الناس بتلعب الشيطان بك في منامك.)) وقال: سمعت النبي ﷺ بعد يخطب فقال: ((لا يحدثن أحدكم بتلعب الشيطان به في منامه.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٥٩٢٦)

”ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے خواب دیکھا کہ میرا سر کاٹا گیا اور وہ لڑھکتا جا رہا ہے، میں اس کے پیچھے دوڑ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا: ”جب نیند میں تیرے ساتھ شیطان شرارت کرے تو لوگوں سے ہرگز بیان نہ کرو۔“ اور (جابر رضی اللہ عنہ نے) کہا: اس کے بعد میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”تم میں سے کوئی بھی لوگوں کو ایسا خواب ہرگز بیان نہ کرے جس میں شیطان نے اس کے ساتھ اس کی نیند میں شرارت کی ہو۔“

دوسری روایت کے الفاظ ہیں، اعرابی نے کہا:

"إني حلمت أن رأسي قطع فأنا أتبعه، فزجره النبي ﷺ وقال: ((لا تخبر بتلعب الشيطان بك في المنام.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٥٩٢٧)

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرا سر کٹ گیا ہے اور میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا: ”شیطان خواب میں تیرے ساتھ جو شرارت کرے، اس کو بیان نہ کرو۔“

مولانا محمد اختر صدیق نے اپنی کتاب ”خواب اور تعبیر“ میں ایک واقعہ درج کیا ہے جس سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ عام آدمی کا خواب وحی نہیں ہوسکتا۔

”۱۴۲۴ہجری کو حج کے دوران صفا پہاڑی کے قریب سعی کرتے ہوئے ایک حاجی نے دوسرے مصری حاجی کو چھری کا وار کر کے زخمی کر دیا، اور دلیل یہ پیش کی کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بتایا ہے کہ یہ (زخمی) حاجی دجال ہے، اس کو قتل کر دو، لہٰذا میں نے اس کے پیٹ میں چھرا

گھونپ دیا۔''

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شاید حملہ کرنے والا اپنے بھائی سے ناراض ہو کر سو گیا ہو اور اس کی ذہنی کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیطان نے دراندازی کی، ورنہ (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ کسی عام مصری حاجی کے متعلق ایسا حکم قطعاً نہیں دے سکتے۔''

(خواب اور تعبیر، ص:۲۶)

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں "باب رؤيا أهل السجون والفساد والشرك" (قیدیوں اور اہل شرک وفساد کے خواب کا بیان) کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور پھر اس میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے جیل کے دو ساتھیوں کے خوابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ قَالَ أَحَدُهُمَآ إِنِّيٓ أَرَىٰنِيٓ أَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّيٓ أَرَىٰنِيٓ أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَىٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [يوسف: ٣٦]

''اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کہا کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں۔ ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔''

امام مہلب نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس لیے قائم کیا ہے کہ اہل شرک وغیرہ کے خواب بھی سچے ہو سکتے ہیں لیکن وہ نبوت کا درجہ نہیں پا سکتے۔ (تفسير القرطبي: ٩/ ١٠٧، ١٠٨)

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی ''سورۂ یوسف'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"أما رؤيا الكافر والفاجر والفاسق والكاذب وإن صدقت رؤياهم في بعض الأوقات، لا تكون من الوحي ولا من النبوة إذ ليس كل من صدق في حديث عن غيب يكون خبره ذلك نبوة. ومن المعلوم أن الكاهن وغيره قد يخبر بكلمة الحق فيصدق لكن ذلك نادر وقليل، فكذلك رؤيا هولاء.)) (التفسير المنير: ٦/ ٥٣٧)

''پس کافر، فاجر، فاسق اور جھوٹے کے خواب اگرچہ بعض اوقات سچے ہی کیوں نہ ہوں، تب بھی نہ تو یہ وحی کا درجہ رکھتے ہیں اور نہ نبوت میں سے ہوتے ہیں کیوں کہ ہر غیب کی سچی خبر دینے والے کی بات نبوت سے نہیں ہوتی۔ اور یہ بات واضح ہے کہ کاہن وغیرہ کبھی سچی بات کہتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہے لیکن یہ بہت کم ہوتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کے خواب ہوں گے۔''

یعنی جس طرح ہر سچی بات اور کاہن کی درست بات نبوت کا حصہ نہیں ہوگی اسی طرح کفار اور غیر مسلموں کے سچے خواب بھی وحی کی حیثیت نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ ان نعمتوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے دشمنوں کو مال و دولت اور حکومت کی صورت میں دے رکھی ہیں۔ گویا کہ عام آدمی کے خواب کے متعلق یہ بات تو کہی جا سکتی ہے کہ وہ سچے اور اچھے بھی ہو سکتے ہیں مگر بے شمار خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، اس لیے عام آدمی کے خواب کو وحی، حجت اور شرعی دلیل کی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔

میاں عبدالقدوس (سرگودھا) کی والدہ وفات پا گئیں

میاں عبدالستار آزاد (سرگودھا) کی بڑی بیٹی، میاں عبدالقدوس، عبدالوہاب اور عبدالسلام کی والدہ محترمہ ۱۰ر مئی بروز جمعرات وفات پا گئیں۔

احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

(فیض الرحمٰن شاہ، سرگودھا)

قند مکرر

چشمۂ فیض

حافظ احمد شاکر

گزشتہ سے پیوستہ شمارے میں چشمۂ فیض کے نام سے جو اداریہ تحریر کیا گیا اس کو دو صفحات میں سمونے کے لیے فونٹ سائز غیر معمولی باریک کرنا پڑا جس کے بعد بعض احباب نے تقاضا کیا کہ اس اداریے کو جو ''دارالدعوۃ السّلفیۃ'' کے تاسیسی مقاصد، خدمات اور ہفت روزہ الاعتصام کے احوال پر مشتمل تھا، دوبارہ واضح خط میں شائع کر دیا جائے۔ تاکہ تمام قارئین ادارے سے متعارف ہو کر اُس کی خدمات سے باخبر ہو جائیں۔ (ادارہ)

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ مسلکِ محدثین اور جماعت اہل حدیث کے لیے من جانب اللہ ایک دلِ دردمند لے کر آئے تھا۔ بدوِ شعور ہی سے انھیں صرف کتاب سے محبت تھی۔ شوقِ علم میں وہ گھر سے جب نکلے تو انھوں نے جو چیز سب سے پہلے خریدی وہ "فتح الباري شرح صحيح بخاري" تھی اور دوسری چیز بھی کتاب ہی تھی اور وہ تھی "قيام الليل للمروزي"، پھر وہ عمر بھر "قوت لا یموت" پر گزارہ کرتے رہے۔ جو بچتا یا جو وہ سینچتے اس سے صرف کتاب خریدتے اور جو کتاب خریدتے اس کو پڑھتے بھی کہ ہر کتاب پر لگے ان کے قلم کے نشانات اور اس کے اہم مباحث کے اشارے بقید صفحات ان کی اس عادت کے گواہ اور شاہد ہیں۔ چنانچہ قیام پاکستان کے وقت چھ سات ہزار کتب، جن میں امہات الکتب بھی شامل تھیں، ان کا اندوختہ تھیں جنھیں وہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے موقع پر فیروز پور (مشرقی پنجاب) میں چھوڑ کر خالی ہاتھ پاکستان ہجرت کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فیروز پور میں ان کو علمی مقام اور سیاسی احترام دیا ہوا تھا، اس کے باوجود جب وہ تھوڑے ہی دنوں بعد فیروز پور میں اپنی کتابیں لینے گئے تو وہاں کچھ بھی نہ تھا، سب کچھ بلوائیوں نے ضائع کر دیا تھا۔

پاکستان منتقل ہو کر وہ کچھ عرصہ گوندلانوالہ (جہاں قیام کے دوران انھوں نے ہفت روزہ الاعتصام کی طباعت کا اجازت نامہ حاصل کیا جو کچھ عرصہ تک انجمن اہل حدیث گوجرانوالہ کے انتظام میں چلتا رہا، پھر مرکزی جمعیت اہل حدیث تشکیل پانے پر اس کے زیر انتظام چلا گیا) میں رہے، پھر مولانا محمد داود غزنوی رحمہ اللہ کے حکم پر لاہور بحیثیت صدر المدرسین دارالعلوم تقویۃ الاسلام منتقل ہو گئے اور یہاں ان کے ذوقِ کتب بینی نے پھر انگڑائی لی تو انھوں نے دوبارہ کتب خریدنا شروع کر دیں۔ کتابیں وہ پہلے بھی بہ نیت وقف خریدتے رہے اور پاکستان آ کر بھی ان کی نیت یا ارادہ تبدیل نہ ہوا، چنانچہ وہ اپنا پیٹ کاٹ کر جگر لخت لخت اکٹھا کرتے رہے۔ نہ انھوں نے زمین خریدی، نہ مکان بنایا، خریدا تو صرف کتاب کو۔ ان کا کہنا تھا کتاب مفت حاصل کرنا ذوق کی توہین ہے۔

اپنے رہائشی علاقے شیش محل روڈ اور اس کے قرب وجوار میں حفظ قرآن کا انتظام نہ ہونے کے باعث انھوں نے ۱۹۶۴ء میں کرائے کے مکان میں مقامی بچوں کے لیے حفظ قرآن کی تعلیم گاہ ''مدرسہ مصباح القرآن'' کے نام سے شروع کی تھی۔ ۱۹۶۹ء میں حالات نے پلٹا کھایا اور الاعتصام مرکزی جمعیت اہل حدیث کے انصرام سے نکل آیا جس کا انتظام دوبارہ انھی کو سنبھالنا پڑا۔ ۱۹۷۶ء کے اواخر یا ۱۹۷۷ء کے اوائل میں کرائے کی بلڈنگ، جس میں مدرسہ مصباح القرآن اور الاعتصام سرگرم عمل تھے، مالک مکان نے خالی کروالی تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور مولانا بھوجیانی رحمہ اللہ نے اپنے

نیازمندوں کے تعاون سے ۵ مرلے کا خالی پلاٹ حاصل کرلیا، اور ۱۹۷۷ء کے وسط میں تین کمروں پر مشتمل ایک عمارت مکمل ہوگئی تو مدرسہ مصباح القرآن اورہفت روزہ الاعتصام یہاں منتقل ہوگئے۔ اگلے ہی سال پہلی منزل میں مسجد تعمیر ہوگئی جس میں پنج وقتہ نماز باجماعت اور رمضان کے مہینے میں تراویح کا انتظام کردیا گیا۔ ۱۹۷۹ء میں جب دوسری منزل تعمیر ہوگئی تو مولانا رحمہ اللہ نے اپنا سارا کتب خانہ اس عمارت میں منتقل کردیا جس کی افتتاحی نشست کی صدارت حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے فرمائی۔ اور پھر جون ۱۹۸۰ء مولانا رحمہ اللہ نے اعیانِ جماعت کو جمع کیا اور جماعت اہل حدیث کے لیے اپنا سارا کتب خانہ اور عمارت کے وقف کرنے کا اعلان کردیا، اوراس دارے کو دارالدعوۃ السّلفیہ کا نام دے کراس کی کلاہ صدارت اپنے تلمیذ گرامی مولانا فضل الرحمٰن بن محمد الازہری حفظہ اللہ کے سر پر رکھ دی۔ مولانا ازہری حفظہ اللہ نے ۲۵ سال تک ادارے کی صدارت فرماکرحق تلمذاس طرح ادا کیا کہ وہ دامے، درمے، قدمے، سخنے اس کی خدمت خود بھی کرتے رہے اور احباب کو متوجہ کرکے دارالدعوۃ السّلفیہ میں برکت کا سبب بھی بنتے رہے۔ تقبل الله جهودهم وجزاه الله تعالى عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء.

دارالدعوۃ السّلفیہ مندرجہ ذیل شعبوں میں تقسیم کیا گیا:

(۱) مدرسہ مصباح القرآن۔ (۲) ہفت روزہ الاعتصام۔
(۳) مسجد۔ (۴) لائبریری۔ (۵) المجلس العلمی السّلفی

۱: **مدرسہ مصباح القرآن**: اس میں حفظ وناظرہ قرآن حکیم کی تعلیم اور بچوں کو ادعیہ مسنونہ کی تعلیم کا انتظام کیا گیا جو پس وپیش ۱۹۶۴ء سے ہے۔ الحمدللہ مدرسہ سے سینکڑوں بچے ناظرہ اور بیسیوں بچے حفظ قرآن اورادعیہ مسنونہ کی تعلیم حاصل کرچکے ہیں۔

۲: **ہفت روزہ الاعتصام**: اس کی تاریخ شاہد ہے کہ اس نے ہر سچ کی ہمیشہ تائید کی، ہر خیر کی حوصلہ افزائی اور ہر غلط بات اور شرّ کی تردید بھی کی، اس پر تنبیہ بھی کی اور بوقت ضرورت شرّ کولتاڑنے سے گریز بھی نہیں کیا۔

مسلمانوں میں اتحاد کی کوشش کرتے رہنااس کی پالیسی میں شامل ہے۔ الاعتصام مسلک محدثین کی تبلیغ میں حتی الامکان کوشاں رہا لیکن مضبوط دلائل، ٹھوس شواہد، ممکن حد تک عمدگی کے انداز اور خیرخواہی کے جذبے کے ساتھ ہی اس کی یہ کوشش بھی رہی کہ مختلف الخیال اصحاب علم کے علم وفضل کے احترامات فائقہ میں بھی فرق نہ آئے۔ اسی طرح الاعتصام اس معاملے میں بھی حتی الامکان کوشاں رہا ہے کہ جماعت اہل حدیث کے اصحابِ علم کے مابین فروعی اور جزوی مسائل میں آراء کے اختلاف کومحاذ آرائی تک نہ لے جایا جائے۔ زیادہ سے زیادہ ہرنکتہ نظر کے علماء کے مختلف آراء قارئین کے سامنے رکھنے کے بعدآئندہ معذرت کرلی جاتی ہے تاکہ قارئین مختلف آراءکوسامنے رکھ کرخود تحقیق فرماکرجس رائے کواقرب الی الصواب سمجھیں اس کوقبول کرلیں۔

جماعت کی مختلف تنظیموں، ان کی پالیسیوں، ان کے طریق کاراور مقاصدکوبھی الاعتصام زیر بحث نہیں لاتا کہ یہ باہمی نظم یا گھر کی بات ہوتی ہے جس کوالاعتصام نے ریکارڈ بنانا کبھی درست نہیں سمجھا۔

اسی طرح گمنام وگوشہ نشین کے علماء ومدرسین کے حالات طبع کرنے کا اہتمام بھی الاعتصام کرتا رہتا ہے۔ عالمی سیاست میں الاعتصام اپنی بساط کی حد تک یہ سمجھ کراس پرنظر رکھتا ہے کہ دنیا میں اصل مقابل ہلال وصلیب ہیں، جب کہ افسوس ناک تاریخی حقیقت یہ ہے کہ صلیب نے مسلمانوں، خصوصاً ترقی پذیر مسلمان ممالک، میں اپنے چیلے چانٹوں، ذلہ خواروں اورٹوڈیوں کا جال بچھا رکھا ہے جو چند ٹکوں کی خاطراس کی دسیسہ کاریوں سے اس کے مددگار بنتے اوراس کی سازشوں میں شریک ہوکرمسلم امہ کوناکامیوں سے دوچار کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ جب کہ صلیب یہودو ہنودکو استعمال کرکے اور اپنے خودکاشتہ پودے قادیانیت اور دیگر عجمی فتنوں کی معاشی سرپرستی کرکے اسلام کی بیخ کنی میں مگن ہے۔ تاہم الاعتصام اللہ تعالیٰ کے وعدے ﴿والله متم نوره ولو كره الكافرون﴾ کی نورانی شمع کی

حفاظت میں سرگرم عمل ہے اور مسلمانوں کے دل میں اس کی جھلملاتی لُو کو جلائے رکھنے کا فرض نبھاہ رہا ہے۔

درسِ قرآن کریم اور درس حدیث کی باقاعدگی سے قارئین کے ذوقِ علم اور شوقِ عمل کو مہمیز بھی لگاتا رہتا ہے۔ فتاویٰ جات سالہا سال محترم شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی ﷾ تحریر فرماتے رہے۔ اب ان کی کثرت اسفار اور علالت طبع کے باعث یہ خدمت محترم شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ عفیف ﷾ سرانجام دے رہے ہیں۔ نیز جدید مسائل فقہیہ میں محققین کے مقالات کو ترجیحاً شائع کرکے اس فرض کفایہ سے بھی عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ جماعتی خبریں تو اس کا مستقل عنوان ہیں ہی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایک بہت بڑا فضل اس کی باقاعدگی بھی ہے کہ الحمد للہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ اس کی اشاعت کے تسلسل میں انقطاع کبھی نہیں ہوا۔ باقی رہی تاخیر! تو یہ لوڈ شیڈنگ کے وہ منحوس اثرات ہیں جن سے وطن عزیز اس وقت دوچار ہے۔

٣: **مسجد**: اس میں پنجگانہ نماز باجماعت کی باقاعدگی اور بعد نماز ظہر درسِ حدیث کے اہتمام کے علاوہ رمضان المبارک میں تراویح کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔

٤: **لائبریری**: دارالدعوۃ السّلفیہ کی مجلس عاملہ کے فیصلے کے مطابق اب اس کا نام ''محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری'' رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں تقریباً بیس ہزار ٹائٹل اور کم وبیش ساڑھے تین صد رسائل وجرائد کا ریکارڈ ہے۔ کتب میں تفسیر، حدیث، فقہ کی امہات الکتب، نیز تصانیف اِمام ابن تیمیہ، ابن القیم، نواب صدیق حسن خان بھوپالی اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہم کی میسر تصانیف کے علاوہ ولی اللہی خاندان کی تصانیف موجود ہیں۔ یہ لائبریری صبح نو بجے سے شام پانچ بجے تک اہتمام سے کھلتی ہے جس میں دارالدعوۃ کے رفقاء کار آنے والے علماء وطلباء اور طالبات کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں۔ بیرون ملک کے علماء ومحققین ومفتیان گرامی قدر کے علاوہ اس لائبریری سے پاکستان بھر کی یونیورسٹیوں سے خصوصاً عربی، اسلامیات اور تاریخ کے پی۔ایچ۔ڈی اور ایم فل کے بیسیوں طلباء وطالبات اور ایم اے کے سینکڑوں طلباء وطالبات استفادہ کرچکے ہیں۔

٥: **المجلس العلمي السلفي**: یہ خالص علمی، تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی شعبہ ہے جس میں احباب کے تعاون سے ''تنقیح الرواۃ فی تخریج أحادیث المشکاۃ'' (بڑے سائز کے کامل چار جلد) کے تین ایڈیشن، منتقی الاخبار (اردو) ١٣٠٠ صفحات پر مشتمل کامل دو جلد کے تین ایڈیشن، نواب صاحب کی خودنوشت کے دو ایڈیشنوں کے علاوہ تیس کے قریب مطبوعات شائع ہوچکی ہیں۔

محبان دارالدعوۃ السّلفیہ اور قارئین الاعتصام کی اکثریت کے لیے مذکوہ بالا طول کلامی میں شاید کوئی نئی بات، سوائے اس کے کہ ان کے عطیات بفضلہٖ تعالیٰ بشری حدتک دیانت امانت سے خرچ کیے جاتے رہے، کیے جارہے ہیں اور کیے جاتے رہیں گے، نہ ہو۔ ہاں، البتہ مذکورہ بالا تحریر قارئین کے اولاد واحفاد یا جدید قارئین کے لیے معلومات میں اضافے کا سبب یقیناً ہوگی۔

ہم بصد شکر الٰہی معاونین دارالدعوۃ السّلفیہ اور محبان الاعتصام کے اس بے پایاں اور بے لوث تعاون کا اعتراف کرتے ہیں جو وہ رمضان المبارک میں ہماری یاددہانی پر ہر سال اِرسال کرتے رہتے ہیں بلکہ درمیان سال U.P.S وائرنگ فرنیچر کے اخراجات یا کتب کی خریداری کے لیے ہماری ایک ہی آواز پر ہمارے بزرگ، احباب اور بھائی لبیک کہتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل سے ان احباب کے ذریعے ہماری ضرورتیں پوری فرمادیتا ہے نحمداللہ تعالیٰ وجزاھم اللہ الکریم۔

موجودہ جمہوری حکومت نے مہنگائی سے جس طرح پاکستانی عوام کی چیخیں نکال دی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ہمارے رفقائے کار نہایت تھوڑے معاوضوں پر ہمارے ساتھ بروئے عمل رہتے ہیں۔ دارالدعوۃ السّلفیہ کی مجلس عاملہ کے گزشتہ کسی اجلاس میں ہمارے رفقاء کے اعزازیوں میں بیس فیصد اضافہ کردیا تھا جو اگرچہ مہنگائی کی نسبت

بہت ہی کم تھا لیکن اس اضافے سے ادارے کے اخراجات کا (رفقاء کے مشاہروں میں بیس فیصد اضافے اور مہنگائی کے پچاس فیصد اضافے سے) بوجھ بڑھ گیا تھا۔ گزشتہ کئی سال سے ادارہ کم وبیش تین لاکھ کا مقروض بایں انداز رہتا ہے کہ رمضان المبارک کے عطیات سے سابقہ قرض ادا کردیتے ہیں اور آئندہ رمضان سے دو تین ماہ قبل ہم پھر قرض لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ ادارے سے آپ کی لوجہ اللہ محبت پر اعتماد کرتے ہوئے ہم نے یہ داستان سرائی کی ہے کہ قرض کی ہمیشگی مستحسن بات نہیں ہوتی۔ اس سے زیادہ ہم کچھ کہنا بھی چاہیں تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ ۔

کہہ چکا اس قدر، پھر وہی تشنگی دل کی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کہنا کیا ہے

اللہ تعالیٰ انسانیت پر، مسلم امہ پر عموماً اور ہم وطن بھائیوں پر خصوصاً رحمت فرمائے اور ہمیں ہدایت طلب کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

مولانا عبداللہ گورداس پوری

محمد اسحٰق بھٹی

ہفتہ رفتہ میں جماعت اہل حدیث کے ایک قابل احترام بزرگ، ایک منفرد اور دبنگ خطیب مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ سے جماعت اہل حدیث محروم ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا رحمہ اللہ قیام پاکستان کے بعد بورے والا کی مسجد کی خطابت پر فروکش ہوئے اور ساری زندگی بورے والہ ہی میں گزار دی کہ مولانا اور بورے والہ لازم وملزوم ہوگئے تھے۔ الاعتصام بفضلہ تعالیٰ اہل حدیث علماء وخطباء کے تعارف وتذکرے کا ہمیشہ اہتمام کرتا ہے۔ اس لیے ہم فوری طور پر مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کا تحریر فرمودہ تعارفی مضمون جو انھوں نے (بزمِ ارجمنداں کے اندر) مارچ ۱۹۹۹ء میں شائع کیا تھا، شائع کررہے ہیں۔ مولانا بھٹی حفظہ اللہ کی مولانا سے ۱۹۵۰ء میں ملاقات ہوئی تھی اور تادم واپسیں محبت ومودت کی وہی فضا قائم رہی۔ اس مضمون میں معلومات کو اسی تناظر میں ملاحظہ کیا جائے۔ (ادارہ)

وقت گزرتے پتا نہیں چلتا۔ ماہ وسال کے حساب سے دیکھیں تو یہ آج سے اڑتالیس برس پیشتر جون ۱۹۵۰ء کی بات ہے اور اسے زاویہ تصور میں لائیں تو کل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ غور کیا جائے تو انسان کی ساری زندگی کا یہی حال ہے۔ کوئی شخص عمر کی بیس منزلیں طے کرچکا ہے یا ایک سو بیس، وہ پیچھے گردن موڑ کر دیکھے تو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ہر چیز کی کچھ نہ کچھ حیثیت ہے، ہر شے میں تھوڑی بہت پائیداری پائی جاتی ہے جو دیکھنے والے کو نظر آتی ہے اور ٹٹولنے والے کے ہاتھ اس پر پڑتے ہیں، لیکن انسانی زندگی بہت زیادہ باحیثیت اور پائیدار ہونے کے باوصف نہ کوئی حیثیت رکھتی ہے، نہ کسی نوع کی پائیداری کی حامل ہے، نہ ہاتھ اسے مس کرسکتا ہے اور نہ آنکھ اسے دیکھ سکتی ہے۔ وہ ایسی غیر مرئی اور غیر محسوس چیز ہے جو مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی اپنا سفر تیزی کے ساتھ طے کرتی رہتی ہے۔ یہی حال اس معاملے کا ہے جو آئندہ سطور میں عرض کرنا مقصود ہے۔

۱۹۵۰ء کے ماہ جون کے پہلے ہفتے میں میں نے ''الاعتصام'' کی توسیعِ اشاعت کے لیے جنوبی پنجاب کے بعض علاقوں کا رخ کیا۔ اس وقت یہ اخبار گوجرانوالہ سے شائع ہوتا تھا اور میں اس سے منسلک تھا۔ ایک یا دو دن اوکاڑے رہا، وہاں مولانا معین الدین لکھوی کی کوشش اور مدد سے چند سالانہ خریدار بنائے اور جامعہ محمدیہ کے ایک صاحب غالباً محمد یعقوب (جلد ساز) نے اس کی ایجنسی لی۔

اس کے بعد ساہیوال گیا۔ وہاں چودھری عبدالقادر (علیگ) مرحوم نے میرا ساتھ دیا اور وہ اخبار کے خریداروں کی تعداد میں اضافے کا باعث بنے۔

ساہیوال سے میاں چنوں کا عزم کیا۔ وہاں اس زمانے میں مولانا محمد داود ارشد مرحوم خدمت تدریس انجام دیتے تھے۔ وہ نہایت مستعد، متحرک، مہمان نواز، ملنسار اور ہمدرد عالم دین تھے۔ میں ان سے مل کر بے حد خوش ہوا۔ انھوں نے بھی بہ درجہ غایت احترام کا برتاؤ کیا اور جس کام کے لیے میں گیا تھا اسے اپنے ذاتی کام سے زیادہ اہمیت دی۔ دو دن اور دو راتیں وہاں رہا۔

ایک تو وہ موسم گرمی کا تھا، دوسرے علاقہ گرم تھا، یوں سمجھیے کہ آگ برس رہی تھی۔ پھر زیادہ تر راستے کچے تھے، سڑکوں کا یہ سلسلہ نہ تھا جو اب ہم دیکھ رہے ہیں۔ کچے راستوں پر بسیں چلتی تھیں اور وہ بھی بہت کم۔

میاں چنوں سے میرا پروگرام بورے والہ جانے کا تھا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ میاں چنوں سے بورے والہ کتنی مسافت پر ہے، لیکن پتا

چلا کہ کچا راستہ ہے اور دن میں تین یا چار بسیں چلتی ہیں: صبح سات بجے کے قریب، گیارہ بجے کے پس وپیش اور تین بجے کے لگ بھگ۔ اس وقت سات بجے کی بس نکل چکی تھی۔ میں گیارہ بجے کی بس پر سوار ہوا۔ مولانا محمد داود ارشد رحمہ اللہ بس سٹاپ تک میرے ساتھ آئے اور اپنی دانست میں اچھی سیٹ پر مجھے بٹھایا۔

سخت گرمی پڑ رہی تھی اور پسینے نچڑ رہے تھے۔ بس کے چلتے ہی کچے راستے نے فضا کو گرد وغبار سے بھر دیا۔ کسی نے سر اور منہ کپڑے سے ڈھانپ لیے اور کسی نے چادر جسم پر اوڑھ لی۔ میرے پاس اس قسم کا کوئی کپڑا نہ تھا، میں مٹی سے بری طرح اَٹ گیا۔

میں پہلی مرتبہ بورے والے گیا تھا۔ وہاں میرے بعض رشتے دار بھی تھے اور دوست بھی۔ رشتے داروں میں عبدالعزیز چکی والے، محمد ایوب بھٹی اور عبدالعزیز نمبردار شامل تھے اور دوستوں میں مولوی محمد افضل اور میاں اکبر علی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

بورے والے پہنچ کر بس سے اُترا اور گرد وغبار جھاڑنا شروع کیا تو حسن اتفاق سے سامنے عبدالعزیز نمبردار کھڑے تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو تیزی سے میری طرف بڑھے اور گرد وغبار جھاڑنے میں میری مدد کی۔ سخت پیاس لگ رہی تھی۔ انھوں نے دہی کی لسی پلائی۔ وہ تو وہیں رہے اور مجھے ایک شخص کے ساتھ اپنے گھر بھیج دیا۔ وہاں کھانا کھایا اور آرام کیا۔

عصر کی نماز کے لیے مسجد میں گیا تو بہت سے رشتے داروں اور دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں زیادہ تر وہ حضرات تھے جن سے تین سال (یعنی قیام پاکستان) کے بعد ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مولوی افضل صاحب بھی وہیں تھے اور وہاں کے ہائی سکول میں ٹیچر تھے۔

انھوں نے مسجد ہی میں ایک صاحب سے تعارف کرایا۔ میانہ قد، سیاہ داڑھی، پینتیس چھتیس سال کی جوان عمر، گندم گوں، چہرے پر بشاشت، لباس میں نفاست، بات چیت میں مٹھاس، خوب صورت نقش ونگار، کلے پر طرے دار سفید پگڑی۔ یہ تھے مولانا عبداللہ گورداس پوری۔ بورے والے کی مسجد اہل حدیث کے خطیب وامام۔

وہ نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ میں نے پہلی دفعہ انھیں دیکھا اور پہلی دفعہ ہی ان کا نام سنا تھا۔ یہ عصر کی جماعت کھڑی ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے مجھے اور افضل صاحب سے کہا: آیئے، چائے پییں۔ لیکن افضل صاحب ہم دونوں کو اپنے مکان پر لے گئے اور ہم نے وہیں چائے پی۔

افضل صاحب کے متعلق تو مجھے معلوم تھا کہ وہ جدی پشتی چائے نوش ہیں۔ اب مولانا عبداللہ کے بارے میں پتا چلا کہ وہ بھی چائے کے رسیا ہیں اور عمدہ چائے پیتے ہیں، اور مہمان کی خاص طور سے چائے کے ساتھ تواضع فرماتے ہیں۔ انھوں نے گھر میں بکری رکھی ہے، اس کے تھنوں سے دودھ نکالا اور چائے بنالی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ بکری گھر میں رکھنے اور اس کی ٹہل سیوا کرنے کے سلسلے میں ان کا مقام گاندھی جی کے برابر ہے۔ گاندھی جی اپنی بکری کو بادام کھلایا کرتے تھے، ممکن ہے انھوں نے بھی گھر میں باداموں کی بوری رکھی ہو، چار بادام بکری کو کھلائے اور آٹھ اپنے منہ میں ڈالے۔ پنجابی محاورہ ہے: بچے دا پج تے ماں دا رج، یعنی بچے کے بہانے ماں پیٹ بھر لیتی ہے۔

افضل صاحب کے گھر مولانا عبداللہ کے ساتھ چائے نوشی کے وقت پتا چلا کہ وہ نہایت دلچسپ آدمی ہیں اور ان کی ہر بات میں خوش طبعی اور بذلہ سنجی کا عنصر نمایاں رہتا ہے۔ نہ خود تکلف سے کام لیتے ہیں، نہ دوسرے کو تکلف میں مبتلا کرتے ہیں۔

یہ جمعرات کا دن تھا۔ دوسرے دن جمعہ تھا۔ جمعہ انھی کی اقتدا میں پڑھا اور ان کا خطبہ جمعہ سن کر لطف آ گیا۔ لطیفانہ انداز کلام اور حکیمانہ اسلوب وعظ۔

اب آیے ان کے کاروان حیات کی مختلف سمتوں کی ٹوہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔

وہ ۱۹۱۶ء میں ضلع گورداس پور (مشرقی پنجاب) کے ایک مقام ''وڑائچ'' میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی حکیم امام الدین تھا جو

علمائے کرام اور واعظین عظام کی عزت وتوقیر میں اس نواح میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ نیک اور صالح بزرگ تھے۔ ان کا یہ بچہ کچھ شناسائے فہم ہوا تو انھوں نے اسے سرکاری سکول میں داخل کرا دیا، جہاں بچے نے مڈل کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ بعد ازاں خالصہ ہائی سکول بھاگووال میں داخل کرا دیا گیا۔

عبداللہ جب ہائی سکول میں گئے، اس وقت وہ پندرہ سولہ سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور حالات کی رفتار اور واقعات کی چال کو سمجھنے کی ان میں اچھی خاصی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی۔ انھی دنوں کی بات ہے کہ اس علاقے میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری اور سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری بھی شامل تھے اور ان کی تقریروں سے لوگ نہایت متأثر ہوئے تھے۔

عبداللہ نے بھی یہ تقریریں سنیں اور وہ بھی ان تقریروں سے اثر پذیر ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے سکول کی تعلیم ترک کر کے دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ذہن میں آیا کہ اصل زندگی اور اصل تعلیم تو ان لوگوں کی ہے جن کے جلسوں میں اس قدر کثیر تعداد میں لوگ شامل ہوتے اور نہایت ذوق وشوق سے ان کی تقریریں سنتے ہیں اور پھر اپنے قافلہ حیات کو راہِ مستقیم پر لگا لیتے ہیں، اور یہی وہ راہ ہے جس پر گامزن ہونے والا دنیا وآخرت کی فلاح حاصل کرلیتا ہے۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنے والد محترم حکیم امام الدین سے کیا اور سکول کی تعلیم ترک کر کے بٹالہ کے ایک دینی مدرسے میں داخل ہوگئے جس کا نام مدرسہ دارالسلام تھا۔ یہ مدرسہ وہاں کی انجمن خادم المسلمین کے زیرِ انتظام جاری کیا گیا تھا اور اس علاقے کے ایک نہایت متقی بزرگ اور جید عالم مولانا عطاء اللہ صاحب اس میں خدمت تدریس انجام دیتے تھے، جنھیں اگست ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں سکھوں نے شہید کر دیا تھا۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بٹالہ کے لوگ مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری سے بہت متأثر تھے اور قاضی صاحب مرحوم وہاں کے سالانہ جلسوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ انجمن خادم المسلمین بٹالہ ۱۹۲۸ء میں قاضی صاحب ہی نے قائم کی تھی۔ قاضی صاحب نے حج بیت اللہ سے واپسی کے وقت ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو بحری جہاز میں وفات پائی تھی۔ ان کی وفات کے بعد قاضی صاحب کے صاحب زادۂ گرامی قدر قاضی عبدالعزیز منصور پوری کو انجمن کے جلسوں میں دعوت شرکت دی جاتی تھی اور وہ تشریف لاتے اور تقریر ارشاد فرماتے تھے۔

مولانا عبداللہ نے درس نظامی کی تکمیل مدرسہ دارالسلام بٹالہ میں مولانا عطاء اللہ شہید سے کی۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے انھوں نے امرتسر کے مدرسہ غزنویہ کا عزم کیا اور وہاں کے لائق احترام اساتذہ سے کچھ درسی کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کی خدمت اقدس میں بھی حاضری دی اور ان سے مستفید ہوئے۔

حصولِ علم کے بعد ۱۹۳۷ء میں انھوں نے خطابت کا سلسلہ شروع کیا۔ دھاریوال میں اس زمانے میں ایک بہت بڑی وولن مل تھی جس کا مالک انگریز تھا۔ اس میں ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی ہر مذہب کے اٹھائیس ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ انگریز مالک نے مل کے احاطے میں ایک مسجد تعمیر کرائی، ایک گوردوارا بنوایا اور ایک مندر اور ایک گرجا تعمیر کرایا تاکہ ہر مذہب کے لوگ اپنے مذہب کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرسکیں۔ گوردوارے میں گیانی، مندر میں پنڈت، گرجے میں پادری اور مسجد میں خطیب وامام مقرر کیے گئے۔ پنڈت، گیانی، پادری اور خطیب کی تنخواہ پچاس پچاس روپے ماہانہ مقرر کی گئی تھی اور ان مذہبی مقامات کی صفائی کرنے والوں کو پندرہ پندرہ روپے ماہانہ دیے جاتے تھے۔ سستا زمانہ تھا اور اس دور کے مطابق یہ بڑی معقول تنخواہیں تھیں۔

وولن مل دھاریوال کی مسجد کے منصب خطابت پر مولانا عبداللہ گورداس پوری کو متعین کیا گیا تھا۔ یہ خدمت انھوں نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک دس سال سرانجام دی۔ اس کے ساتھ ہی وہاں کی مسجد اہل حدیث کے دارالعلوم میں تدریسی فریضہ ان کے سپرد کیا گیا اور اس اثنا میں انھوں نے قرآن وحدیث اور دیگر مروّجہ علوم کی چند کتابیں طلباء کو

پڑھائیں۔

دھاریوال کے دورانِ قیام میں جس شخصیت نے مولانا عبداللہ کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ سیّد محمد حسین شاہ ربانی تھے۔ وہ ایک مقامی سکول میں ٹیچر تھے۔ ڈھیلا ڈھالا سا کھدر کا لباس پہنتے اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ شادی کی لیکن راس نہ آئی۔ ان کا روزانہ کا معمول یہ تھا کہ سکول سے فارغ ہو کر دو پیسے کا گندم اور چنے کا آٹا خریدتے اور اس کی دو روٹیاں پکاتے، پھر کسی درخت کے پتے لیتے اور اس کی چٹنی بناتے اور اس میں تھوڑا سا گھی ڈال کر کھا لیتے۔

دور دراز کے علاقوں سے لوگ ان کے پاس آتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے، اللہ ان کی دعا قبول فرماتا تھا۔

انھوں نے بہت سے کبوتر اپنے گھر میں جمع کر رکھے تھے، ان کے لیے دانے دنکے کا خوب انتظام تھا۔ ان کے عقیدت مند بھی کبوتروں کے لیے گندم وغیرہ دے جاتے تھے۔ کبوتر ان کے صحن میں گھومتے رہتے تھے۔

سکول کی تنخواہ سے بھی ہر مہینے کچھ پیسے بچ جاتے اور لوگ بھی ان کی خدمت کرتے تھے۔ اس رقم سے وہ کسی مناسب مقام پر مسجد تعمیر کرا دیتے، اس طرح انھوں نے اپنی زندگی میں چار مسجدیں تعمیر کرائیں۔

ایک دن انھوں نے مولانا عبداللہ کو اپنے گھر بلایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں میری تعمیر کردہ تمام مسجدیں ربانی وقف کے نام سے انجمن اہل حدیث دھاریوال کے نام منتقل کر دی جائیں اور اس وقف کی نگرانی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کرے۔

مولانا عبداللہ اس تجویز سے انتہائی خوش ہوئے اور مولانا ثناء اللہ صاحب کی خدمت میں امرتسر گئے۔ ان سے انھوں نے سیّد محمد حسین شاہ ربانی کی اس تجویز کا ذکر کیا۔ مولانا ثناء اللہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرس کے ناظم اعلیٰ تھے۔ انھوں نے اس تجویز پر مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا کہ دھاریوال میں ایک جلسہ منعقد کیا جائے اور اس جلسے میں سیّد صاحب کی اس تجویز کا اعلان کیا جائے۔

مولانا عبداللہ کو اس جلسے کے انعقاد کی تشہیر پر مامور کیا گیا۔ انھوں نے سائیکل لیا اور گورداس پور کے تمام ضلعے کا دورہ کیا اور مختلف دیہات وقصبات میں تقریریں کر کے اس جلسے کی خوب تشہیر کی۔ جلسے میں ضلع گورداس پور اور بعض دیگر اضلاع کے واعظین ومقررین آئے اور ان کے مواعظ حسنہ سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔

جلسے کی صدارت حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے کی تھی۔ انھوں نے صدارتی تقریر ﴿قد افلح من تزکی﴾ کے موضوع پر ارشاد فرمائی۔ مولانا کا اسلوب بیان نہایت مؤثر تھا۔ سامعین میں ایک بزرگ جناب سیّد پیر جماعت علی شاہ صاحب کے ارادت مند بھی موجود تھے۔ وہ سب سے زیادہ متاثر تھے اور ان پر رقت طاری تھی۔ تقریر ختم ہوئی تو انھوں نے مولانا ثناء اللہ صاحب کے متعلق کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: بلاشبہ یہ شخص اللہ کا ولی ہے۔

کھانے کا وقت ہوا تو سب حاضرین کو عام لنگر میں کھانے کی دعوت دی گئی، اور حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب سے شہر کے بعض حضرات نے کھانے کے لیے اپنے مکان پر تشریف لے جانے کی درخواست کی مگر انھوں نے کسی کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: میں آج سیّد محمد حسین شاہ ربانی کا مہمان ہوں، انھی کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ میزبان کے ہاں گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے چبوترے پر بیٹھے باسی روٹی کھا رہے ہیں۔ مولانا بھی وہیں جا بیٹھے اور بسم اللہ پڑھ کر ان کے ساتھ کھانا شروع کر دیا۔ وہی باسی روٹی کھائی جو شاہ صاحب کھا رہے تھے۔

مولانا عبداللہ ۱۹۳۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک دس سال وولن مل دھاریوال کی مسجد میں فریضہ خطابت سرانجام دیتے رہے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں مشرقی پنجاب کے سکھوں نے مسلمانوں کو قتل وغارت کا نشانہ بنایا تو وہ اپنے خاندان کے ہمراہ براستہ ڈیرہ بابا نانک پاکستان میں داخل ہوئے۔ چند روز نارووال میں قیام کیا، پھر سیالکوٹ، وزیر آباد، سوہدرہ اور گوجرانوالہ سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچے۔ لاہور سے رائے ونڈ کا عزم کیا۔ رائے ونڈ میں ان کے برادر نسبتی قیام پذیر تھے۔

مولانا کا قافلہ پچاس ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ایک بہت بڑی

حویلی ان کے برادرِ نسبتی کے قبضے میں تھی، مولانا عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے اسی حویلی میں پڑاؤ کیا۔

اس وقت عید الاضحیٰ میں چار دن باقی تھے۔ مولانا نے چالیس روپے میں قربانی کے لیے گائے خریدی۔

رائے ونڈ میں اس وقت ایک ہی مسجد تھی جس کی رجسٹری حاجی محمد عاشق کے نام تھی اور وہ اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عید کی نماز پڑھنے مسجد میں گئے تو ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ حاجی محمد عاشق کو کسی نے کہہ دیا کہ یہ عالم دین ہیں۔ حاجی صاحب ان کے پاس آئے اور نمازِ عید پڑھانے اور خطبہ ارشاد فرمانے کی درخواست کی، چنانچہ انھوں نے نمازِ عید پڑھائی اور خطبہ دیا۔

خطبے کا موضوع حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہجرت اور ان کا جذبہ قربانی تھا۔ سامعین میں اکثریت مشرقی پنجاب سے آنے والے لوگوں کی تھی اور ترک وطن کے زخم ابھی تازہ تھے۔ تقریر کے الفاظ و انداز کی اثر پذیری سے ہر آنکھ پر نم تھی اور ہر دل تڑپ رہا تھا۔

عید کے بعد مولانا اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور گائے کی قربانی میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حاجی محمد عاشق ریڑھی لیے کھڑے ہیں جس پر ایک بوری آٹے کی اور ایک بوری چاولوں کی ہے۔ کہا: یہ حقیر سی خدمت قبول فرمایے۔ ساتھ ہی پانچ سو روپے نقد عنایت کیے۔ یہ بہت بڑی مدد تھی جو اس وقت انھوں نے فرمائی اور لٹے پٹے قافلے کو سہارا دیا۔

رائے ونڈ کے دوران قیام میں مولانا نے لاہور کے علاقہ سنت نگر میں کپڑا بنانے کی ایک چھوٹی سی مل الاٹ کرالی تھی۔ رائے ونڈ کی مسجد میں وہ بغیر کوئی حق خدمت وصول کیے خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تھے۔ اس مسجد کی توسیع میں بھی انھوں نے بڑا کردار ادا کیا۔

۱۹۴۸ء میں قصور کی جامع مسجد اہل حدیث میں بھی (جسے جامع فریدیہ کہا جاتا ہے) کچھ عرصہ وہ خطبہ جمعہ دیتے رہے۔

بعد ازاں ۱۹۴۹ء میں بورے والہ کی جماعت اہل حدیث کے بعض حضرات کی درخواست پر بورے والا تشریف لے گئے۔ اس وقت بورے والہ میں ایک چبوترے کی صورت میں چھوٹی سی مسجد تھی۔ اب ماشاء اللہ بہت بڑی مسجد بن گئی ہے۔ بورے والا میں انھوں نے جو پہلا خطبہ دیا اس میں سورۂ عصر کی تفسیر بیان کی گئی تھی جس سے سامعین بہت مستفید ہوئے تھے۔ مولانا ابتدا ہی سے شیروانی پہنتے تھے۔

پاکستان آنے کے بعد انھوں نے پہلی شیروانی بازار سے دس آنے میں خریدی تھی جو ایک عرصے تک ان کے پاس رہی۔ وہ اسے خطبہ جمعہ کے وقت پہنا کرتے تھے۔

مولانا عبداللہ صاف بیان، عمدہ کلام اور منجھے ہوئے مقرر ہیں۔ تقریر کا انداز کچھ ایسا ہے کہ اس سے نہ صرف سامعین اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نہایت خوشی کے ساتھ ان کی تقریر سنی جاتی ہے اور لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ تقریر کا سلسلہ جاری رہے۔

تقریر کے علاوہ ان کی عام مجلس بھی مسرت آفرینی کا باعث ہوتی ہے۔ وہ لطیفے کے انداز میں بڑی پیاری اور میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ دوسرے کی بات بھی نہایت توجہ سے سنتے ہیں اور اپنی بھی دلچسپ پیرائے میں دوسرے کو سناتے ہیں۔

وہ جماعت اہل حدیث کے پرانے بزرگوں کی باتیں (جن میں مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں) بڑے اہتمام اور شوق سے بیان کیا کرتے ہیں۔ جماعت کے پرانے عوامی واعظوں اور مقرروں کے واقعات بھی انھیں خوب یاد ہیں، مثلاً: مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، ان کے بڑے بھائی مرحوم حافظ اسماعیل روپڑی، مولانا علی محمد صمصام اور مولانا میر محمد بھامبڑی کا تذکرہ خوب صورت اسلوب میں بیان فرماتے ہیں۔

وہ خوش مزاج، خوش طبع، خوش اخلاق، خوش کلام عالم ہیں۔ چھوٹے بڑے ہر شخص سے خوش دلی سے ملتے اور ہر شخص سے اس کے مرتبے کے مطابق بات کرتے ہیں۔ سب کی عزت کرتے ہیں اور سب سے عزت کراتے ہیں۔ اپنے ہم مسلک حضرات میں بھی مستحق

تکریم سمجھے جاتے ہیں اور غیر مسلک کے حاملین میں بھی اکرام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

ان کی حس مزاح اتنی تیز ہے کہ بات بات میں لطیفہ پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کے بہت سے لطائف میں سے چند لطیفے ملاحظہ ہوں:

۱: کئی سال ہوئے ان کی بیوی فوت ہوگئی تھی۔ ایک دوست نے بتایا کہ وہ بورے والہ میں ان کی بیوی کی تعزیت کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تعزیتی باتیں ہو رہی تھیں کہ مولانا کی ایک شخص پر نظر پڑی جو ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھے تھے۔ آواز دے کر انھیں اپنے قریب بلایا اور ان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: یہ میرے کلاس فیلو ہیں۔ وہ عمر میں ان سے بہت چھوٹے تھے۔ پوچھا: آپ کے کلاس فیلو کیسے ہوگئے؟ یہ تو آپ سے بہت کم عمر ہیں۔ فرمایا: ان کی بیوی بھی فوت ہوگئی ہے، میری بیوی بھی فوت ہوگئی ہے۔ جب دونوں ایک سے ہیں تو کلاس فیلو ہوئے۔

۲: ایک دفعہ ضلع سیالکوٹ کے کسی گاؤں میں گئے۔ وہاں لوگوں نے وعظ کے لیے کہا تو وعظ کیا۔ وعظ کے بعد ایک شخص نے کھانے کی دعوت دی اور وہ انھیں اپنے گھر لے گیا۔ کھانے کے بعد عرض کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے وہ انھیں بیٹا عطا فرمائے۔

پوچھا: ایک بیٹے کے لیے دعا کروں یا دو کے لیے؟

اس نے جواب دیا: ذرا ٹھہریے، میں گھر سے پوچھ آؤں کہ دو بیٹے چاہئیں یا ایک ہی کافی ہے۔

۳: بورے والہ کے قریب ایک گاؤں میں ایک شخص وفات پا گیا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ اس کی بیوی نے ایک دن مولانا کو اپنے گھر بلایا۔ وہ گئے تو خاتون نے کہا: سر سے پگڑی اتارو۔

پوچھا: کیا بات ہے؟ پگڑی کیوں اُتاروں؟

بولی: ضرورت بات ہے، بس پگڑی اتارو۔

خاتون کے مجبور کرنے پر پگڑی اتاری تو اس نے ان کے سر پر ایک پھٹا پرانا قرآن مجید رکھا اور کہا بیٹا:

تیرے بابے کا کہنا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد یہ قرآنِ مجید تجھے دیا جائے، اسے حفاظت سے رکھنا اور پڑھتے رہنا تا کہ تیرے بابے کو ثواب پہنچے۔

بولے: میرے بابے نے یہ پھٹا پرانا قرآن ہی مجھے دینے کو کہا تھا۔ کوئی بھینس، گائے، بکری، نقد روپے، زیور اور زمین جائداد دینے کو نہیں کہا تھا؟ ان چیزوں کا بھی تو میرے بابے کو ثواب پہنچے گا۔

بولی: یہ دو جہانوں کا سردار ہے اسے لے جاؤ، پڑھو، ثواب کماؤ اور موج کرو۔

۴: میں بورے والے جاؤں تو ان سے ملنا ضروری ہوتا ہے۔ ایک دن گیا اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک نوجوان باہر نکلا۔ اس سے مولانا کا پوچھا تو کہا: بازار گئے ہیں۔ میں نے اپنا نام بتایا اور کہا: جلدی سے بلا لاؤ۔

تھوڑی دیر بعد وہ نوجوان آیا اور کہا: آ رہے ہیں۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ مولانا آئے اور حسب معمول نہایت تپاک سے ملے۔ فرمایا: بچے نے مجھے کہا کہ میں مہمان کو مسجد میں بٹھا دوں؟ میں نے کہا: نہیں۔ میں آ رہا ہوں، مہمان جہاں کھڑے ہیں، وہیں کھڑے رہنے دو۔ وہ مسجد والے نہیں ہیں۔

۵: ان کے دروازے کے سامنے کار کھڑی تھی۔ اس کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ گاڑی میں نے خریدی ہے۔ یہ میری ہم عمر ہے۔ میرے گھٹنوں میں اب درد ہونے لگی ہے۔ اس گاڑی کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی گاؤں میں کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کے کان میں اذان دینے کے لیے مجھے لے جانا چاہے تو میں اس گاڑی پر چلا جاتا ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی عقیقے یا نکاح یا ولیمے پر بلائے تو یہ گاڑی مجھے لے بھی جاتی ہے اور پھر لے بھی آتی ہے۔

وہ زندہ دل اور وسیع القلب عالم ہیں۔ میں جب بھی ان سے ملا اور جہاں ملا، بہت ہی کھلے دل سے ملے اور بے حد اپنایت کا اظہار کیا۔ عمل واخلاق کی اس سطح کے علماء سے اب دنیا تیزی سے خالی ہو رہی ہے۔ اسی اخلاق اور اسی کردار کے لوگوں کی تبلیغ اور طریق گفتگو سے اسلام پھیلا اور لوگوں کے سامنے کتاب وسنت پر عمل کی راہیں

کشادہ ہوئیں۔ اسلام کی ترویج عذوبت لسان اور لطافت کلام کی خواہاں ہے۔ سختی، تشدد اور لاٹھی ڈنڈے سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہ حرکتیں لوگوں کو اسلام سے دور ہٹانے کا باعث بنتی ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سے مبلغین اسلام نے تلخی اور سختی کی راہ کو اپنایا ہے، ملک میں جھگڑے فساد نے سر اٹھا لیا ہے اور قتل وغارت تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

جو شخص ایک میٹھا بول نہیں بول سکتا، زبان کو نرمی کے جوہر سے آشنا نہیں کرسکتا، لوگوں کی نفسیات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور وعظ وتبلیغ میں مخاطب کی ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا، اسے اسلام کی تبلیغ کے بجائے کوئی اور دھندا کرنا چاہیے۔ مبلغین کو اپنے طرز عمل پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے پیش نظر صاحب حدیث ﷺ کا اسوہ وعمل رہنا چاہیے اور انھیں سوچنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کس انداز میں فریضہ تبلیغ سرانجام دیتے تھے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا نہج کلام تھا۔

پھر یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہر دور، ہر مقام اور ہر معاشرے میں طریق تبلیغ بدل جاتا ہے۔ جس طرح معاشرہ بدلتا اور حالات میں تغیر رونما ہوتا ہے، اسی طرح اسلام کی نشر واشاعت کا اسلوب بھی تبدیلی سے دوچار ہوتا ہے۔

بے شک مولانا عبداللہ گورداس پوری انسانی نفسیات کے بہت بڑے ماہر نہیں ہیں، انھیں ملکی سیاسیات سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے، کسی بیرونی ملک میں بھی طریق تبلیغ کا انھیں بہت زیادہ تجربہ نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اس دور کے بہترین مبلغ ہیں۔ وہ لوگوں کی ذہنی اور فکری سطح کے مطابق بات کرتے ہیں۔ وہ معاشرے کی بیماریوں اور کمزوریوں کی صحیح نشان دہی کرتے ہیں اور پھر اس کا علاج تجویز کرتے ہیں، وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ میں نے ان کی بہت سی تقریریں سنی ہیں اور اسی نقطہ نظر سے سنی ہیں۔

ان کے میٹھے انداز کی تقریروں ہی کا نتیجہ ہے کہ بورے والہ میں ان کے ہم مسلک لوگوں میں بہت اضافہ ہوا اور اہل حدیث کے نقطہ نظر کے حاملین کی تعداد کافی بڑھی ہے اور روز بہ روز بڑھ رہی ہے۔ ان کا اصل میدان وعظ وتقریر ہے۔ تحریر ونگارش کے وہ زیادہ عادی نہیں ہیں، تاہم جماعت اہل حدیث کے بعض اخباروں میں کبھی کبھار ان کے مضامین شائع ہوجاتے ہیں۔ دوسروں کا مجھے علم نہیں، البتہ میں ان کے مضامین دلچسپی سے پڑھتا ہوں، جن سے اکابر علماء کے بارے میں بعض نئی باتیں مطالعے میں آتی ہیں جو معلومات میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔

مولانا عبداللہ کے بارے میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ صرف وعظ وتقریر ہی کو کافی نہیں سمجھتے، بلکہ عمل وحرکت اور جدوجہد بھی ان کی زندگی کے بنیادی اجزا ہیں اور اسلام کے لیے انھوں نے بڑی تکالیف اٹھائی ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں مرزائیوں کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی تھی اس میں اس مردِ مجاہد نے اہل حدیث علماء وعوام کی طرح پورے جوش وجذبے سے حصہ لیا اور اس کے نتیجے میں گرفتار ہوکر کافی عرصہ جیل میں رہے۔ ۱۹۷۴ء میں بھی انھوں نے اس نہایت اہم مسئلے میں اپنی خدمات پیش کیں۔ سیفٹی ایکٹ میں بھی انھیں گرفتار کیا گیا۔ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے مطالبے کے سلسلے میں بھی انھوں نے ملک کے بہت سے مقامات کے دورے کیے اور لوگوں کو اس کی برکات سے آگاہ کیا۔ حکومت کو بھی اپنے اندازِ خاص سے ہدفِ تنقید ٹھہرایا۔ جماعت اہل حدیث کی تنظیم کے بارے میں بھی انھوں نے بے حد بھاگ دوڑ کی اور بہت سے مقامات پر جماعتی تنظیمیں قائم کیں۔ مولانا سیّد محمد داود غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی اور دیگر تمام اکابر جماعت ان پر اعتماد کرتے اور ان کی بات کو بے حد اہمیت دیتے تھے۔

بلاشبہ اس پُرخلوص عالم ومقرر نے خدمت اسلام اور اشاعت کتاب وسنت کے لیے ہر محاذ پر کام کیا اور ہر موقع پر جرأت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔

مولانا عبداللہ گورداس پوری سراپا خلوص واعظ ومبلغ ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے اہل وعیال کو خیر وعافیت سے نوازے رکھے، آمین۔

تذکرہ علمائے اہل حدیث

حضرت مولانا عبداللہ گورداس پوری جوارِ رحمت میں

محمد سلیم چنیوٹی

حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کے مشہور مبلغ وخطیب تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش ۱۹۱۶ء کی ہے۔ مولانا احمد دین گکھڑوی، مولانا محمد اسماعیل روپڑی، مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، حافظ محمد اسماعیل ذبیح، مولانا محمد حسین شیخوپوری، مولانا محمد رفیق مدن پوری، مولانا علی محمد صمصام اور دیگر معروف خطبائے کرام رحمہم اللہ حضرت گورداس پوری رحمہ اللہ کے ساتھیوں میں رہے ہیں۔

حضرت گورداس پوری ۱۹۴۹ء سے بورے والہ کی مرکزی مسجد اہل حدیث میں خطیب چلے آرہے تھے۔ جہاں بیٹھ گئے وہیں کے ہو رہے کے مصداق ان کی میت ہی اس مسجد کے صحن سے اٹھی۔

مولانا موصوف ایک مرنجاں مرنج طبیعت رکھتے تھے۔ لطیف اور مفید گفتگو سے سامعین کو محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ انھوں نے ساری عمر تبلیغ دین، مسلک اہل حدیث کی ترویج اور تحریر وتقریر میں گزاری۔ بیماروں کی بیمار پرسی اور وفات پا جانے والے جماعتی احباب وعلمائے کرام کے جنازوں میں شرکت کرنے کے لیے دور دراز کے سفر کرکے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تعزیتی خطوط اور بعض دفعہ مرحومین کے بارے مضامین لکھ کر جماعتی رسائل میں بغرض اشاعت روانہ فرماتے تھے۔

حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا دورِ شباب اور ان کے کئی مناظرے اور خطابتی معرکے حضرت گورداس پوری نے دیکھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے موصوف کو بڑی عقیدت ومحبت تھی۔ اسی طرح سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے جلسوں میں بھی یہ بڑی عقیدت سے شامل ہوا کرتے تھے۔ شاہ صاحب سے انھیں ملنے کا اتفاق ہوا تو انھوں نے شفقت سے ان کا چہرا تھپتھپایا اور سر پر دست شفقت پھیرا۔

شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کے بیشتر واقعاتِ زیست ان کے ذہن میں محفوظ تھے۔ بعض واقعات انھوں نے قلم بند کیے اور جماعتی رسائل کی زینت بنائے۔

دفتر الاعتصام میں تشریف لائے تو بندۂ فقیر محمد سلیم چنیوٹی کو اپنے پاس بٹھانے کا شرف بخشا اور بعض واقعات تحریر کروائے جنھیں بعد ازاں الاعتصام کی زینت بنا دیا گیا۔ آخری برسوں میں طبیعت میں اُتار چڑھاؤ رہنے لگا تو ٹیلی فون پر ان سے احوال پرسی کا شرف حاصل رہتا۔ لطافت لسانی سے جواب عنایت فرماتے اور خود بھی خوش رہتے اور ہمیں بھی خوشی سے نوازتے، اللہ اکبر۔

اپنی تقاریر وخطبات جمعہ کے لیے پورے پاکستان میں گئے۔ چھوٹے چھوٹے قصبات ودیہات اور قریوں میں بھی سفر کرکے پہنچے اور فریضۂ تبلیغ ادا فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نے سوال کیا: بابا جی! آپ کبھی ہمارے گاؤں بھی گئے ہیں اور وہاں بھی آپ نے تقریر فرمائی ہے؟ مولانا مرحوم نے اپنے مخصوص ظرافت میں ڈوبے لہجے میں جواب دیا: بیٹا! یہ نہ پوچھ کہ آپ میرے چک میں گئے یا نہیں؟ بلکہ مجھ سے یہ پوچھ کہ ''پَھتّو کتھے کتھے نئیں نَچّی'' اس کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ میں کہاں کہاں نہیں پہنچا ہوں، میں تو ملک کے کونے کونے میں گیا ہوں اور فریضۂ تبلیغ ادا کیا ہے۔ اسی لیے انھیں لوگ ''بابائے تبلیغ'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

مولانا نے ایک طویل عمر پائی ہے۔ ان کی زندگی میں جماعت اہل حدیث کے بڑے بڑے خطباء وعلمائے کرام نے اپنی زندگی کے

ایام پورے فرمائے اور راہی ملک آخریں ہوئے۔ ان کی وفیات پر مولانا مرحوم بڑے رنجیدہ ہوا کرتے اور فرمایا کرتے کہ میں ان لوگوں میں اس طرح ہوں جیسے پرندوں کی ڈار میں سے ایک کونج۔ میرے ساتھیوں نے مجھ سے منہ موڑ لیا ہے اور مجھے چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں۔

مولانا مرحوم تحریک ختم نبوت کے ایک بڑے مجاہد تھے۔ ۱۹۵۳ء میں مرزائیوں کے خلاف چلنے والی اس تحریک کے ہراول دستے میں شامل تھے۔ گرفتار بھی ہوئے اور کئی ماہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں اور گرفتار بھی ہوئے۔ مبلغ اور خطیب ہونے کے ناتے ملک پاکستان میں ہمیشہ نفاذِ اسلام کی بات کی اور اس موقع پر منبر ومحراب سے حکومت وقت کو بھی نفاذِ اسلام کا وعدہ یاد دلاتے رہے۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم کے پوتے جناب سہیل گورداس پوری بڑے متحرک نوجوان ہیں۔ ان کے والد گرامی، یعنی مولانا گورداس پوری رحمہ اللہ کے بیٹے ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر (ڈاکٹر بہاء الدین) برطانیا میں مقیم ہیں۔ وہاں وہ ''تحریک ختم نبوت'' مرتب فرمانے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اب تک تیرہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں اور چودھویں اور پندرھویں جلد ترتیب دی جا چکی ہیں۔ مولانا گورداس پوری رحمہ اللہ کی خصوصی شفقت سے یہ جلدیں راقم کو بھی عنایت ہوچکی ہیں۔ اللہ کریم یہ تحفہ مبارکہ دینے پر ضرور مولانا موصوف کو اجر عظیم سے نوازے گا۔ ان شاء اللہ

ایک کامل سیٹ دارالدعوۃ السّلفیہ کی محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری میں بھی آچکا ہے۔ مولانا عبداللہ صاحب اپنی عمر کے آخری حصے میں گھٹنوں کے درد میں مبتلا ہوگئے تھے۔ کبھی کبھی بلڈ پریشر میں کمی واقع ہوجاتی تھی۔ مئی ۲۰۱۲ء کی پانچ تاریخ کو بلڈ پریشر کم ہونے پر انھیں مقامی ہسپتال لے جایا گیا۔ اگلے دن واپس گھر آگئے۔ صحت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن ۶/ مئی کو انھیں دل کی تکلیف ہوئی اور دوبارہ ہسپتال لے جائے گئے۔ ۷/ مئی ۲۰۱۲ء بروز پیر انھیں دماغی فالج کا عارضہ بھی ہوگیا اور آپ کومے میں چلے گئے۔ سہیل گورداس پوری نے ایک بج کر اکیاون منٹ پر میرے موبائل پر اطلاع دی کہ حضرت دادا جی کی آخری سانسیں پوری ہوگئیں اور اللہ کا وعدہ آن پہنچا ہے اور رندھی ہوئی آواز میں موبائل بند کر کے بیٹھ گئے۔ آہ! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چند گھنٹے بعد میں نے دوبارہ جناب سہیل گورداس پوری سے جنازے کے متعلق پوچھا۔ انھوں نے ۸ مئی بروز منگل صبح دس بجے کا بتایا۔ یوں راقم اور حافظ خلاد شاکر رات دو بجے بس میں سوار ہو کر بورے والہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ الحمد للہ مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ جنھوں نے اپنے اسلاف کی خود زیارت کی تھی، ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر مصافحے ومعانقے کیے تھے، اب بڑے سکون وراحت سے سفر آخرت اختیار کیے بیٹھے تھے۔ غسل ساڑھے سات بجے شروع ہو چکا تھا۔ راقم پاس ہی کھڑا ہوگیا۔ احباب نہلا کر مولانا کو سفر آخرت کے لیے تیار کر رہے تھے۔ صبح ساڑھے نو بجے میت کو مولانا محمد عبداللہ صاحب کی مرکزی مسجد اہل حدیث کے صحن سے اٹھایا گیا اور بورے والہ کالج کی طرف نماز جنازہ کے لیے لے جایا گیا۔

جنازے میں ایک جم غفیر شامل ہو چکا تھا۔ بورے والہ کے بازار مولانا کے سوگ میں بند کر دیے گئے تھے۔ جماعتی احباب کے علاوہ ہر مکتب فکر کے علماء وعوام، سیاسی وسماجی شخصیات، ایم پی اے بورے والہ، انتظامیہ بورے والا کے علاوہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ حافظ ڈاکٹر عبدالکریم، قاری عزیر، مولانا یٰسین شاد، مولانا محمد ابراہیم خلیل، حافظ عبدالستار گوندل، قاری محمد رمضان قاسمی، مولانا عزیز الرحمٰن شیخوپوری، مولانا عبدالواحد لالہ موسیٰ، حافظ عثمان خالد شیخوپوری، مولانا عبدالرحمٰن لدھیانوی، مولانا فاروق الرحمن یزدانی، عبدالرؤف یزدانی، امیر حمزہ حماد طور، مولانا عمر فاروق طور، پروفیسر ظفر اللہ، شیخ الحدیث عبدالعزیز علوی، مولانا محمد یونس بٹ، یٰسین ظفر چودھری، حافظ مسعود عالم، پروفیسر محمد یحییٰ جلال پوری، قاری عبدالمتین

اصغر، حافظ عبدالوہاب روپڑی، حافظ عبدالغفار روپڑی، حافظ عبدالستار الحماد، حافظ عبدالحمید عامر، مولانا عبدالقہار برق توحیدی، جماعت الدعوۃ کے سیف اللہ منصور اور دیگر افراد، سیّد ضیاء اللہ شاہ بخاری، حافظ عبدالغفار اعوان، شیخ الحدیث عبداللہ امجد چھتوی، میاں محمد جمیل، مولانا محمد یوسف انور اور سیکڑوں احباب جماعت مولانا کے عزیز واقارب سمیت جنازے میں شامل ہوئے۔ حضرت مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری کی بال بال مغفرت فرمائے۔ انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔ زندگی میں زبانی کمی بیشی سے درگزر فرمائے اور لواحقین ڈاکٹر محمد بہاء الدین، ریاض قدیر صاحب، جناب زبیر احمد صاحب اور جناب سہیل احمد کو صبر جمیل سے نوازے، آمین یا ربّ العالمین۔

قرار دادِ تعزیت

گزشتہ دنوں جماعت اہل حدیث کی بعض اہم شخصیات کی وفات ہوگئی، ان میں بزرگ عالم دین، بابائے تبلیغ حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن ازہری حفظہ اللہ کی اہلیہ محترمہ اور مولانا زبیر احمد ظہیر کے جواں سال بیٹے ابتسام زبیر ظہیر کی وفیات شامل ہیں۔

دارالدعوۃ السّلفیہ کے اراکین عاملہ وکارکنان الاعتصام مرحومین کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور احباب سے بھی دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔ دعا گو: شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ خان المدنی، حضرت مولانا ابوبکر صدیق السّلفی، حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی، ڈاکٹر سعید اقبال قریشی، حافظ احمد شاکر، ڈاکٹر محمد حماد لکھوی، حضرت مولانا ارشاد الحق اثری، حضرت مولانا حافظ عبدالحمید ازہر، مولانا مبشر احمد مدنی، چوہدری نعیم صادق ایڈووکیٹ، محمد عتیق شیخ، حافظ محمد اشرف، چوہدری محمد جمیل، ملک عصمت اللہ، حافظ حماد شاکر۔ (ادارہ)

فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور

۴۶ء ۲۹۷ سیّد محمد عبدالحی

ع ۳۱ ح حدیث الغاشیة عن الفتن الخالية والفاشية ، ص:۳۶۰۔ مطبع سعید المطابع، بنارس۔
۲۔ کشف الغمة عن افتراق الأمة ، ص:۸۴۔ نواب صدیق حسن۔

۴۶ء ۲۹۷ حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی

م ۲۸۳ ا احوال الآخرت، ص:۱۴۸۔ اسلامی اکادمی، لاہور۔
۲۔ زینت الاسلام، مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی، ص:۶۶۔ المکتبۃ السّلفیہ، لاہور۔

۴۶ء ۲۹۷ مسعود احمد صاحب

م ۶۲ ا اسلام کا نظریہ شفاعت، ص:۱۶۔ ادارہ مطبوعات اسلامیہ، کراچی۔

۴۶ء ۲۹۷ حافظ مقصود احمد

م ۳ ۶۹۷ ف فکر آخرت، ص:۹۲۔ مرکز دعوۃ التوحید، اسلام آباد۔

۴۶ء ۲۹۷ نور محمد

ن ۸۷ ع علاماتِ قیامت، ص: ۴۸۔ نور محمد آغا حسن چوہدری، دہلی۔

۴۶۱ء ۲۹۷ امّ عبدمنیب

ع ۵۳۶ ع عورت وفات سے غسل وتکفین تک، ص: ۱۶۔ مشربہ علم وحکمت۔

۴۶۲ء ۲۹۷ علامہ نعمان بن محمد آلوسی

آ ۶۴۷ م مردے سنتے نہیں، حنفی علماء کا نقطۂ نظر، ص:۱۵۶۔ مترجم: محمد صالح محمد یونس السّلفی۔ ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السّلفیہ، بنارس۔

۴۶۲ء ۲۹۷ پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری

ع ۵۸ م مسئلہ سماع موتی، ص:۶۴۔ ادارہ تبلیغ اسلام، جام پور، ضلع راجن پور۔

۴۶۲ء ۲۹۷ پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری

ع ۵۸ م مسئلہ سماع موتی، ص:۶۴۔ سلفیہ رائزنگ انجینئرز، انجینئرنگ یونی ورسٹی، لاہور۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن ازہری حفظہ اللہ کی اہلیہ کا انتقال

حضرت مولانا فضل الرحمٰن ازہری (خطیب جامع مسجد محمدی اہل حدیث، سنت نگر، لاہور) کی اہلیہ محترمہ شدید علالت کے بعد ۸رمئی ۲۰۱۲ء بروز منگل وفات پاگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ بڑی مہمان نواز، نیک سیرت، غریبوں، مسکینوں کی خدمت کرنے والی اور اپنے خاندان کے لیے سراپا رحمت خاتون تھیں۔

مرحومہ کا جنازہ محترم مولانا ازہری نے خود پڑھایا۔ جنازے میں سیکڑوں افراد شریک ہوئے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے۔ ان کے لواحقین بیٹوں، بیٹی، بہوؤں اور پوتے پوتیوں کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

اراکین ادارہ الاعتصام مولانا فضل الرحمٰن ازہری حفظہ اللہ سے تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے غم میں شریک ہیں۔ (ادارہ)

لادین سیاست

جو بات حق ہو، وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خبیر و بصیر
مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لا دیں
کنیزِ اہرمن و دُوں نہاد و مُردہ ضمیر
ہوئی ہے ترکِ کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر
متاعِ غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہراول لشکر کلیسیا کے سفیر!

(علامہ محمد اقبال)